گیت یہ میرے

حمیدہ جبیں

ایک دلچسپ رومانی اصلاحی ناول

گیت نئے میرے

حمیدہ جبیں

مصنفہ: حمیرہ جبیں
قیمت: چھ روپیہ پچاس پیسے
مطبوعہ: خواجہ پریس۔ دہلی

ہندوستانی پبلشنگ ہاؤس
اردو بازار۔ دہلی ۶

ہم اس قدر تو ہوش کے دشمن نہ تھے حضور
دھوکے دیئے گئے ہیں بہاروں کی شکل میں

ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا.... اور اسٹیج تو دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ موسیقی کے شائقین آنکھیں اسٹیج کی طرف جمائے بیٹھے تھے جہاں کچھ دیر بعد ملک کے نامور فن کار اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والے تھے اور کچھ دیر بعد مائیک کی گونج نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور پھر یکے بعد دیگرے موسیقار آنے لگے۔ ہال میں خاموشی سی چھا گئی۔ اور نظریں اسٹیج کی طرف مرکوز

ہوگئیں۔

لوگ داد دے رہے تھے۔ سر ہلا رہے تھے آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں اور پھر کچھ دیر بعد مائیک کی آواز پھر گونجی۔

اب آپ کے سامنے مسٹر فیصل نغمہ سرا ہوں گے۔ مسٹر فیصل ملک کے ابھرتے ہوئے فن کار ہیں۔ اور بہت جلد انہوں نے دنیا کو دکھا دیا ہے کہ فن کیا ہے۔

تب آگے بیٹھی ہوئی لڑکیوں میں چہ میگوئیاں پھیل گئیں۔ اور ساتھ ہی سیاہ شیروانی میں ملبوس وجاہت سے بھرپور ایک خوبصورت سا نوجوان اسٹیج پر آکر جھک گیا۔

ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور فیصل نے ستار سنبھال لی اسکی خوبصورت سرخ سرخ آنکھیں بند ہو گئیں اور چوڑے ماتھے پر گھنگریالے بالوں کی ایک لٹ سرگوشیاں کرنے لگی۔

لڑکیاں تو ایک ــــ لڑکے اس کی خوبصورتی پر رشک کرنے تھے۔ آگے بیٹھی ہوئی لیڈیز سیٹوں پر تو ایک کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔

کم بخت کتنا حسین ہے ــ ایک عورت دوسری عورت سے کہنے لگی۔

ہاں ۔۔۔۔ اور گاتا بھی اچھا ہے۔ دوسری عورت کھوئی ہوئی تھی۔

ایک اور نو عمر لڑکی اپنی سہیلی سے کہہ رہی تھی،

اگر یہ مجھے اپنی ستار اٹھانے کے لئے نوکر رکھ لے تو میں خوشی سے پاگل ہو جاؤں۔

ارے اتنی بے تابی ــــ اور وہ تمہارا اسلم۔ دوسری لڑکی نے جواب دیا۔

وہ ۔۔۔۔۔ اس کے سامنے کیا ہے۔

ایک دوسری لڑکی جسارت سے بولی۔

یاد رکھنا باجی ۔ ہم لوگ گفٹ ضرور لیتے ہیں ان سے۔

ہاں ضرور میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔ تیئیس سالہ باجی بھی کہہ بیٹھی۔

اور پھر سرگوشیاں ختم ہوگئیں۔

فیصل نے کچھ دیر تاروں کے ساتھ چھیڑ خانی کی اور پھر فیض کی ایک غزل چھیڑ دی۔ نہ جانے اسکی آواز میں کیا تھا لوگوں کے دل جھوم اٹھے اور شعر کی ادائیگی تو اس عمدہ طریقے سے کرتا تھا کہ بہت کم لوگوں کے حصے میں یہ خوبی آتی تھی۔

اور غزل بھی بہت عمدہ تھی۔

کیا انتخاب پایا تھا اس نے۔

شامِ فراق اب نہ پوچھ آئی اور آکر چلی گئی
دل تھا کہ پھر گیا جان تھی کہ پھر سنبھل گئی

بزمِ خیال میں تیرے حسن کی شمع جل اٹھی
درد کا چاند بجھ گیا ہجر کی رات ڈھل گئی

جب تجھے یاد کر لیا صبح مہک مہک اٹھی
جب ترا غم جگا لیا رات مچل مچل گئی

دل سے تو ہر معاملہ کر کے چلے تھے صاف ہم
کہنے کو انکے سامنے بات بدل بدل گئی!

غزل ختم ہوئی تو تالیوں کا ایک طوفان بپا ہو گیا۔

اور ونس مور۔۔۔ ونس مور کی آوازیں گونج اٹھیں اور پھر عوام کی پرزور فرمائش پر فیصل ایک مرتبہ پھر اسٹیج پر آیا اور ایک اور غزل چھیڑ دی۔

لوگ جھوم جھوم گئے اور پھر وہ ایک فن کار اور آئے۔ تب محفل برخاست ہو گئی۔
ڈیڈی ۔ فیصل صاحب سے ملوائیے نا ۔ ایک سڈول سے جسم والی لڑکی اپنے باپ سے کہنے لگی۔
ہاں آؤ ۔ اور کئی لڑکیاں آرٹ کونسل کے منیجر کے دفتر کی طرف چل پڑیں۔
وہاں فیصل آگے ہی لوگوں میں گھرا ہوا تھا۔
فیصل صاحب میری بیٹی کو آپ سے ملنے کا بہت شوق ہے۔
وہ صرف مسکرا کر رہ گیا اور اسکی یہ مسکراہٹ کئی دلوں میں پیوست ہو گئی۔
اور پھر کئی چھوٹی بڑی کاپیاں اس کی طرف بڑھنے لگیں۔ وہ لکھتا رہا......
اس کے دماغ میں جمع شدہ مواد ختم ہو گیا تو وہ صرف دستخط کرنے لگا۔
ڈیڈی انہیں چائے پر بلوایئے نا ۔ اس سڈول جسم والی لڑکی نے کہا۔
ہاں بیٹا ضرور ۔ ڈیڈی تو موم کے بنے ہوئے تھے ۔ بیٹی جس طرف موڑتی مڑ جاتے۔
فیصل بیٹا ۔ کل شام چائے ہمارے ساتھ پئیں تو ہمیں بڑی خوشی ہوگی۔
جی... آپ کی مہربانی ۔ مگر
دیکھئے فیصل صاحب مگر وگر نہیں چلے گا آپ کو جانا پڑے گا۔
سڈول سے جسم والی لڑکی اٹھلانے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک التجا تھی
اور فیصل ٹھکرا نہ سکا۔
جی.... میں حاضر ہو جاؤں گا۔

او تھینک یو ویری مچ مسٹر فیصل ۔ یہ ہمارا کارڈ۔

موم کے بنے ہنستے ڈیڈی اپنا کارڈ اس کی طرف بڑھانے لگے اور بیٹی
دوسری لڑکی کو یوں دیکھنے لگی جیسے اس نے معرکہ فتح کر لیا ہے۔

اور پھر فیصل سیاہ رنگ کی گاڑی میں بیٹھ کر چمکتی ہوئی سڑک پر غائب ہو گیا۔

اوہ ڈیڈی ۔ آپ کتنے اچھے ہیں۔ گول مول لڑکی جس کا نام نائلہ تھا
بڑے ناز سے بولی۔

بیٹا چلو اب گھر۔ تمہاری ممی انتظار کر رہی ہوں گی۔

اوہ ۔ ممی بڑی BACKWARD ہیں۔ وہ کیا جانیں۔

اور پھر باپ بیٹی ایک چمکتی ہوئی بیوک میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

اس وقت ایک اور برقع پوش لڑکی گیٹ پر کھڑی بڑی حسرت سے
گزرتی ہوئی گاڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔

وہ سوچ رہی تھی ۔ یہ سب فیصل کو دیکھ کر آئی ہیں اور میں کتنی بدنصیب
ہوں ..... اسے نہ دیکھ سکی۔ بلکہ نکڑ پر کھڑی ریڈیو پر سنتی رہی اور
وہ بھی کس مصیبت سے۔

گھر سے کتنے بہانے بنا کر آنا پڑا۔ آہ فیصل۔
کیا میں کبھی تم سے باتیں کر سکوں گی۔
اور سچ مچ اس کی آنکھوں سے قطرے ٹپک پڑے۔

ہم کو جو عادت ہوئی بس پیتے رہے
اپنی معصوم تمناؤں کا رس پیتے رہے

ادھر فیصل شراب میں دھت اپنے کمرے میں پڑا تھا۔ بوتل اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

سرکار— نوکر نے ڈرتے ڈرتے پکارا۔

کیا ہے۔ وہ بڑبڑایا۔

بس کیجئے سرکار اب... وہ ڈر کر بولا۔

تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے۔ کتے۔ ذلیل۔ نکل جاؤ یہاں سے۔

وہ نشے میں دھت اسے مارنے کو دوڑا۔ اور پھر نرم لہجہ میں بولا۔

شبراتی۔

جی سرکار۔

وہ آئی تھی۔

کون سرکار؟

وہی۔ کل والی....

ہاں سرکار آئی تھی۔ مگر میں نے واپس بھیج دیا۔

کیوں بھیج دیا۔ کس کے حکم سے بھیج دیا۔ تم کو کیا حق تھا۔ وہ پھر غصے میں آگیا۔

اب نہیں بھیجوں گا سرکار۔ غلطی ہوگئی۔

جاؤ۔ کسی کو لاؤ۔

میں کیسے لاؤں سرکار۔ شبراتی کانپ گیا۔

میں کہتا ہوں جاؤ۔

اچھا سرکار۔ شبراتی باہر آکر بیٹھ رہا۔ اور اس کے دل سے بددعا نکلنے لگی۔ اللہ کرے روشی پر جائے جس نے سرکار کی یہ حالت کر دی۔ وہ فیصل کو مدت سے جانتا تھا۔

اور روشی کو بھی۔ جس نے فیصل کی زندگی بدل کر رکھ دی۔

شبراتی۔ اندر سے آواز آئی۔

جی سرکار۔

میرا ستار لاؤ۔

ابھی لایا سرکار۔

اور پھر شبراتی ستار اٹھا لایا۔ تب فیصل کی انگلیاں تیزی سے تاروں پر چلنے لگیں۔ اور آدھی رات تک ستار کوٹھی میں گونجتی رہی۔ شبراتی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فیصل کی انگلیوں سے خون بہہ رہا تھا اور بستر پر پڑی

ہوئی سفید چادر پر سُرخ دھبے بنتے جا رہے تھے۔

بس کیجئے سرکار۔ بس کیجئے۔

کیوں۔ یکایک فیصل ہنسنے لگا اور ستار ایک طرف رکھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ شبراتی اس کی انگلیوں پر کپڑا تر کر کے باندھنے لگا۔ فیصل کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اور شبراتی اسے کمبل اڑھا کر باہر نکل آیا۔

فیصل کو اسی طرح دورہ پڑا کرتا تھا۔ شبراتی جانتا تھا کہ یہ کیسا دورہ ہے۔ ڈاکٹر اس کو نہ سمجھ سکے۔

سوسائٹی میں فیصل یوں تھا۔ جیسے سوسائٹی کی جان ہو۔ اس کے بغیر محفل سونی رہتی۔

اس کے نغمے ریڈیو پر گونجتے تو دل میں ہلچل مچا دیتے اور اب جب وہ فلموں کے لئے گانے لگا تھا تو اس کی شہرت کو چار چاند لگ گئے تھے۔ کئی فلموں کے ڈائریکٹر تو اسے فلم میں ہیرو لینے کے لئے تیار تھے۔ لیکن وہ خود اس کے لئے تیار نہ تھا۔ بین الاقوامی شہرت کا مالک فیصل نہ جانے دن کیسے گزارتا تھا۔

اکثر اسے یوں ہی دورہ پڑ جاتا۔

شبراتی جانتا تھا کہ اس کے مالک کے کمرے میں کئی لڑکیاں آ چکی ہیں اور یہ لڑکیاں صاحب کے لئے کیا ہیں۔ ایک کھلونا۔ وہ کھیلتا رہتا ہے اور پھر کھلونا ٹوٹ جاتا ہے تو وہ ایک قہقہہ لگانے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ بعض اوقات کتنا ظالم بن جاتا ہے یہ صاحب۔

میں تو پابندِ وفا ہوں غمِ فرقت کی قسم
میری پلکوں کے ستارے ہیں ضیا بار ابھی

نائلہ کے لئے وقت کاٹنا مشکل ہو گیا تھا اور اس نے بڑے اہتمام سے اپنے آپ کو سنوارا تھا۔ عنابی رنگ کے نایاب کپڑوں میں اس کے جسم کے حصے کچھ اور زیادہ نمایاں ہو گئے تھے۔

ڈیڈی میں کیسی لگتی ہوں۔

ہماری بیٹی کا ثانی دنیا میں نہیں ہے۔ لوم کے بنے ہوئے ڈیڈی منہ میں سگار دبائے دادِ تحسین دے رہے تھے۔

ڈیڈی فیصل اب تک نہیں آئے۔ وہ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

آجاتے ہیں بیٹی۔ گھبرانے کی بات کیا ہے۔

اور اسی لمحے فیصل کی سیاہ گاڑی پورچ میں آکر کھڑی ہوئی وہ آگئے وہ بھاگتی ہوئی باہر نکلی۔

فیصل سیاہ لباس میں ملبوس تھا۔ اور سیاہ سوٹ اسے بڑا زیب دے رہا تھا۔

آداب عرض کرتا ہوں۔

جیتے رہو بیٹا۔ آؤ۔ یہ نائلہ تو صبح سے پاگل ہو رہی ہے۔

وہ مسکرا کر نائلہ کو دیکھنے لگا اور نائلہ بیر بوٹی کی بیل بن گئی۔

چائے بہت ہی پُر تکلف تھی۔

چائے کے دوران باتیں ہوتی رہیں۔ چائے کے بعد ڈیڈی کوئی ضروری کام بتا کر اٹھ گئے۔

اور نائلہ کا دل دھڑکنے لگا۔

آپ آیا کریں گے نا اب۔ وہ جھجکتے ہوئے کہنے لگی۔

جی۔ کبھی کبھی۔ وہ بے پروائی سے بولا۔

کبھی کبھی کیوں — روز نہیں۔

روز کیوں — آخر؟

اس لئے کہ دل چاہتا ہے!

دل کیوں چاہتا ہے ....

آپ نہیں جانتے۔

جانتا ہوں۔

کیا —؟

یہ — فیصل کی آگ ابھر آئی اور اس نے نائلہ کا ہاتھ تھام لیا۔ نائلہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

اسے معلوم نہ تھا۔ کہ ملک کا اتنا بڑا فنکار دل کا اس قدر کمزور ہے کہ کسی کا دل نہیں توڑ سکتا۔ وہ بہت خوش تھی۔

اور فیصل کو بھی کھیلنے کے لئے ایک اور کھلونا مل گیا تھا۔ لہٰذا وہ بھی مطمئن ہو گیا۔

چلئے کہیں چلتے ہیں۔ ناظمہ جذباتی لہجہ میں کہنے لگی۔

چلئے۔

ابھی پکچر کا ٹائم ہے۔

تو چلئے۔

اور پھر دونوں پکچر کے لئے تیار ہو گئے۔

فیصل کی کار ریگل کی طرف بھاگنے لگی۔

ریگل میں بڑی رومانٹک پکچر تھی۔ وہ شانہ سے شانہ ملائے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ ناظمہ بے حد خوش تھی۔ فیصل جیسے حسین آدمی کے ساتھ پکچر دیکھنے کا خیال جیسے ہی دل میں آتا تو سارے جسم میں ایک لہر دوڑتی محسوس ہوتی۔

فیصل نے ٹکٹ لئے اور وہ دونوں پچھلی سیٹوں پر جا کر بیٹھ گئے۔ پکچر شروع ہونے میں ابھی دس منٹ باقی تھے۔

باجی۔ وہ دیکھئے فیصل صاحب۔ اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی لڑکی گردن موڑ کر کہنے لگی۔

یہ فیصل ہے۔ تم نے کہاں دیکھا تھا رضیہ۔

میں نے ریڈیو اسٹیشن پر دیکھا تھا۔

اچھا۔ بہت خوب ہیں۔
مت پوچھو باجی۔ وہ بھی لڑکی حسرت سے کہنے لگی۔
مگر ساتھ یہ لڑکی کون ہے۔ باجی چونکی۔
اصل۔ پہلوان ہے پوری۔ اور فیصل کو دیکھو اسے لے کر آگیا۔
حسین سی لڑکی جل ہی گئی۔
ہاں دیکھو تو کیسے ہنس رہا ہے!
ہوں۔
اور فیصل کے قریب بیٹھی ہوئی نائلہ کہنے لگی۔
دیکھئے وہ لڑکیاں ہیں کیسے گھور رہی ہیں۔
فیصل مسکرا دیا۔
مجھے بُری لگ رہی ہیں۔ نائلہ بھی جل گئی۔
کیوں؟
وہ آپ کو گھور گھور کر دیکھ رہی ہیں۔
فیصل نے قہقہہ لگایا۔ نہ جانے عورت اتنی وہمی کیوں ہوتی ہے؟
جی ہاں۔ اور مرد تو جیسے بڑے ہی سیدھے ہیں۔ وہ تو عورتوں سے بھی زیادہ شکی ہوتے ہیں۔
اچھا۔ فیصل نے بڑے پیار سے کہا۔
ہاں۔ نائلہ بیچاری شرما گئی۔
بڑا تجربہ ہے تمہیں۔

تجربہ تو نہیں — مگر ارادہ ہے۔
ہال میں اندھیرا چھا گیا۔ پکچر شروع ہو گئی۔ فلم بڑی رومانٹک تھی۔
فیصل نائلہ کے ساتھ جڑا ہوا بیٹھا رہا — اور نائلہ تو جیسے خدا سے
چاہتی تھی۔
نائلہ — اس نے اندھیرے میں سرگوشی کی۔
جی —
تم کتنی حسین ہو —
جھوٹ
بالکل سچ۔
حسین تو آپ ہیں۔ وہ حسرت سے کہنے لگی۔
نظر کا دھوکا ہے۔
بالکل نہیں۔
اچھا یہ بتاؤ۔ تم مجھے روزانہ ملنے آؤ گی نا؟
آپ کیوں نہیں آئیں گے۔
میں روز روز آتا ہوا اچھا نہیں لگتا۔
اچھا تو پھر میں آؤں گی۔
اوہو — تم کتنی اچھی ہو۔ فیصل اس کا ہاتھ تھام کر کہنے لگا۔
انٹرول ہوا۔ تو فیصل نائلہ سے معذرت کر کے باہر نکل گیا۔
اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی دونوں لڑکیوں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔

تم باہر جاؤ۔
کیوں؟
وہ باہر ہے۔ اس سے مل لو۔ اور پھر اپنے ہاں بلاؤ۔
ہائے اللہ۔ کیسے مجھے شرم آتی ہے۔
جاؤ بھی۔ پھر وہ اندر آ جائے گا۔
اور حسین سی پروین جھجکتی ہوئی گیٹ سے باہر نکل گئی۔ باہر نکلنے ہوئے لوگ اندر جا رہے تھے۔
فیصل ایک کھڑکی میں کھڑا سگریٹ پی رہا تھا۔
پروین آہستہ سے اس کے پاس جا کھڑی ہوئی۔
معاف کیجئے.... میں.... آپ کو۔
جی۔ فرمایئے۔ فیصل جونہی پروین کی طرف مڑا اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ اس کے سامنے ایک حسین لڑکی کھڑی تھی۔
آپ ــــ آپ۔ مسٹر فیصل ہیں نا؟ وہ رکتے رکتے ہوئے بولی۔
جی ہاں۔ اور آپ۔ فیصل کے سامنے ایک نیا کھلونا تھا۔ وہ حسین بھی تھا۔
مجھے پروین کہتے ہیں۔ مجھے آپ سے ملنے کی بڑی تمنا تھی۔
بہت خوشی کی بات ہے پھر تو۔ فیصل مسکرایا۔
میں نے آپ کے گانوں کے سارے ہی ریکارڈ منگوائے ہوئے ہیں وہ معصومیت سے کہنے لگی۔

سامنے کے سامنے۔ فیصل نے آنکھیں حیرت سے سکوڑ کر کہا
جی ہاں۔ کہتے ہوئے وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ تب اس کے موتیوں سے
دانت فیصل کو بڑے بھلے لگے۔
مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ آپ میرے غریب خانے پر
تشریف لائیں گی۔
یہی تو میں کہنے والی تھی آپ سے۔
نہیں پہلے آپ آئیے۔
اچھا۔ میں ضرور آؤں گی۔ مگر پھر آپ بھی۔
ہاں ہاں وعدہ رہا۔ تو کل پانچ بجے شام انتظار کروں گا۔ سیون
الیف گاف روڈ۔
بہت اچھا۔
پکچر شروع ہو چکی تھی اور لوگ اندر جا چکے تھے۔ اندر بیٹھی ہوئی نائلہ
پریشان تھی کہ فیصل کہاں چلا گیا۔
پکچر شروع ہو گئی۔ اب اندر چلیں۔
چلئے۔ فیصل نے کہا۔
وہ۔ وہ آپ کے ساتھ۔۔۔۔
اوہ میرے ساتھ۔ وہ میری مہمان ہیں۔
اچھا۔ وہ دونوں ہال میں داخل ہوئے تو نائلہ نے دیکھا کہ وہ دونوں ایک
ساتھ تھے۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

فیصل اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہنے لگا۔
معاف کرنا نائلہ۔ میں باہر سگریٹ پی رہا تھا۔ چند دوست مل گئے دیر ہو گئی۔
تم بور تو نہیں ہوئی۔
جی نہیں ــ یہ لڑکی ــ
یہ لڑکی۔ وہاں ایک شخص سے باتیں کر رہی تھی۔
اچھا۔ نائلہ کے دل کی کلی کھل گئی۔ اور فیصل مسکرا دیا۔
دو لڑکیاں
دوشی کی ہم جنس
دو لڑکیاں
انتقام . . . وہ خود ہی مسکرا رہا تھا۔
کل کے لئے کوئی پروگرام بنائیں۔
کل . . . کل میں بہت مصروف ہوں نائلہ۔ کچھ ضروری ریکارڈنگ ہے۔
پرسوں تم آ جانا۔ صبح دس بجے پھر کہیں چلیں گے۔
اچھا ــ میں پرسوں دس بجے آ جاؤں گی۔
اور میں انتظار میں آج ہی شروع ہو جاؤں گا۔
جھوٹ ــ !
اچھا تو جھوٹ ہی سہی۔
اور نائلہ بے چاری اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھ بیٹھی۔ وہ تصور ہی تصور میں آنے والے دن دیکھنے لگی۔

پکچر ختم ہوئی۔

تو فیصل ایک مرتبہ پھر پروین کو دیکھ کر مسکرایا اور آنکھوں آنکھوں میں کچھ طے کر لیا۔

نائلہ فیصل کے ساتھ گھر آئی تو مرم کے بنے ہوئے ڈیڈی جن کا نام ذوالفقار احمد تھا برآمدے میں مل گئے۔ اور فیصل کو موٹر سے اتروا لیا اور کھانا کھلا کر بھیجا۔

واپسی پر فیصل موٹر میں بیٹھا مسکرا رہا تھا۔

روشنی..... دیکھ رہی ہو۔ اپنے فیصل کی حالت۔

اور خاموش رات میں اس کا قہقہہ گونجا۔

مٹتے مٹتے مٹ گئی جانِ وفا کی آرزو
آتے آتے بے قراری کو قرار آ ہی گیا

فیصل ابھی نیند سے بھی نہیں اُٹھا تھا۔
کہ اس کا ڈرائنگ روم مہمانوں سے بھر گیا۔
بھئی۔ شبراتی اپنے صاحب کو اٹھاؤ۔ غلام علی بولے۔
جی ابھی اٹھاتا ہوں۔
شبراتی نے فیصل کو جگایا تو فیصل نے بڑے عجیب لہجے میں پوچھا۔
کیوں جگایا مجھے۔
صاحب۔ وہ۔ وہ فلم والے آئے ہیں۔
کیا کہتے ہیں۔!
کہہ رہے ہیں صاحب کو بلاؤ....
اچھا۔ ٹائم کیا ہے۔ فیصل گاؤن لیتے ہوئے کہنے لگا۔
جناب ساڑھے دس۔

اوہ ۔۔ تم نے مجھے جگایا کیوں نہیں ۔ اور شبراتی مسکرانے لگا۔
فیصل بھی مسکرا دیا ۔ اپنی بے تکی سی بات پر ۔ اور شبراتی کے کندھے
تھتھپاتا ہوا کہنے لگا۔
میری بات کا برا نہ منایا کرو شبراتی ۔
کیسی بات کرتے ہیں سرکار بھلا آپ کی بات کا برا مناؤں گا۔ !
اچھا تم چلو میں آتا ہوں۔
اور پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ سفید ململ کے کُرتے اور لٹھے کے پاجامے
میں تر و تازہ ڈرائنگ روم میں آیا تو قہقہوں کا طوفان آ گیا۔
فیصل صاحب اتنی دیر تک سوتے ہیں آپ ۔
اجی ۔۔ ہم فلمی لوگ تو گیارہ بجے تک سوتے ہیں ۔ ایک نے کہا۔
ہاں ہاں کیوں نہیں ۔ غلام علی صاحب نے جواب دیا ۔ ہاں تو کمار صاحب
وہ دھن یوں تھی ۔۔ اور غلام علی صاحب ایک دھن گنگنانے لگے۔
واہ واہ صاحب ۔ کمال ہے ۔ لوگ دل تھام لیں گے ۔
مگر گائیں گے کس سے ۔
بھئی اسے فیصل کے سوا کوئی نہیں اٹھا سکے گا۔
واقعی صاحب واقعی ۔ ایک چمچے قسم کے صاحب اچھل کر بولے۔
جان پڑ جائے گی ۔۔
فیصل بھی مسکرا رہا تھا ۔ اور کافی دیر تک فیصل کے ڈرائنگ روم میں
قہقہوں کا طوفان رہا۔

اور پھر ڈائرکٹر فیصل سے نئی فلم کا کنٹریکٹ کرکے ہنستے ہوئے چلے گئے۔

فیصل اکیلا رہ گیا

گھڑی دیکھی تو بارہ بج رہے تھے۔

وہ اٹھ کر دراز سے کچھ ڈھونڈنے لگا۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کے ہاتھ میں ایک خطوط کا پلندہ آگیا۔ اس نے حقارت سے دیکھا اور خط نکال لئے۔

لفافے سے ایک تصویر نکل کر اس کے ہاتھوں میں آگئی۔

تصویر ایک حسین سی لڑکی تھی۔

وہ کچھ اسے دیکھتا رہا اور پھر پلٹ کر تصویر کو دیکھا۔ پیچھے لکھا:

تمہاری روشنی۔

ہوں۔ میری روشنی۔ وہ حقارت سے بولا۔

اور پھر وہ خط نکال کر پڑھنے لگا۔

پہلا خط۔ جو اس کے سامنے آیا۔

پیارے فیصل

رات کھڑکی میں کھڑی رہی۔ تم نہیں آئے۔

آخر کیوں۔ کیا تمہیں علم نہ تھا کہ کوئی بے تاب ہے کوئی پریشان ہے۔

فیصل آنا مت تڑپایا کرو۔ آج انتظار کروں گی۔ آؤ گے نا؟

تمہیں میری قسم

تمہاری روشنی

ہٹوں ۔ فیصل نے خط کے پرزے کر دیے ۔ اور پھر دوسرا
خط نکالا ۔

میرے فیصل

رات تم آئے ۔ تم میرے قریب بیٹھے میرے دل کی دھڑکن سنتے رہے ۔
ہم دونوں چپ تھے ۔ تم نے بھی کوئی بات نہیں کی ۔ اور صبح تم چپ
چاپ چلے گئے ۔ اس وقت میں بھی تم سے کچھ نہ کہہ سکی ۔ نہ جانے میری زبان
کیوں بند ہوگئی ۔ ۔ ۔ نہ جانے میں تمہیں دیکھ کر کیوں کچھ نہیں کہہ سکتی ۔ میرا
حلق خشک ہو جاتا ہے ۔ ایسا کیوں ہے آخر ۔
فیصل آج آؤ گے ۔ تو مجھ سے جی بھر کر باتیں کرنا ۔
اچھا فیصل ۔

تمہاری روشی

فیصل خط پڑھ کر پُرزے ضائع کرتا رہا ۔ ۔ ۔

تیسرا خط

اس کے سامنے تھا جس میں پھول کی پتیاں اب بھی چُر مُر سی ہو گئیں تھیں ۔

فیصل

رات پھر تم چپ رہے ۔ میں جانتی ہوں تم کیوں چپ چپ رہتے ہو ۔
غم نہ کرو فیصل ۔ کام ڈھونڈھو ۔ کہیں نہ کہیں مل جائے گا ۔ مگر
تم اپنا ستار نہ چھوڑنا ۔ یہ لوگ جو کہتے ہیں کہنے دو ۔ پڑھے لکھے ہو
۔ کہیں کلرکی کر لو ۔ میری خاطر ۔ ۔ ۔

میری جان ۔۔۔ کی شرط کی خاطر۔
رات تم نے پھر کوئی بات نہیں کی ۔ تمہاری چپ مجھے کھا جائے گی
خدا کے لئے مجھ سے باتیں کرو۔ اپنی روشی سے جی بھر کر باتیں کرو۔۔ تم نے
ایک مرتبہ کہا تھا کہ ایسے وقت میں خاموشی بھی ایک زبان بن جایا کرتی ہے۔
تم میری باتیں سمجھ جاتے ہو اور میں تمہاری ۔۔۔
لیکن میں تمہاری باتیں سننا چاہتی ہوں ۔۔۔ لڑکیاں مجھ سے نہ جانے
کیوں جلنے لگی ہیں۔
فیصل مجھے تو خدشہ لگا رہتا ہے۔ کاش تم اتنے حسین نہ ہوتے۔
یا پھر میں تمہیں دنیا کی نظروں سے چھپا کر رکھ سکتی۔
تمہاری روشی
چہرتھا خط اب بھی خوشبو سے مہک رہا تھا۔
فیصل
تم رات کو مجھ سے باتیں کر کے گئے۔ لیکن مجھے نہ جانے کیوں نہیں چین آتا۔
دیکھ لو ۔۔ اب پھر تمہیں خط لکھ رہی ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ تمہیں چھپا کر
کہیں لے جاؤں تم پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔
فیصل رنجیدہ نہ ہونا ۔ مل جائے گا کام۔ آہستہ آہستہ ہی ملے
گا اب ۔ تم تو بہت جلد گھبرا گئے۔
رات میں نے ایک خواب دیکھا تھا فیصل ۔ میں نے دیکھا تم آسمان پر
اڑتے جا رہے ہو ۔۔ اور میں زمین پر کھڑی چیخ رہی ہوں کہ مجھے بھی ساتھ

لے جاؤ۔ مجھے بھی ساتھ لے جاؤ۔
فیصل۔ مجھے اتنا ڈر لگا۔ کہیں تم مجھے یوں چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گے۔
فیصل اگر تم نے ایسا کیا تو یاد رکھو ابھی سے کہہ رہی ہوں زہر کھا کر مر جاؤنگی۔
رات آ رہے ہو نا۔ ؟

تمہاری اپنی

روشی

اور پھر فیصل نے کئی خطوط پھاڑ دیے جن میں روشی نے اپنا کلیجہ نکال کر رکھ دیا تھا۔

ایک اور خط پر اس نے سرسری نظر ڈالی۔

فیصل

تمہیں دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی ہیں۔ ماں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی تمہیں نکھٹو۔ نکما۔ آوارہ ذلیل نہ جانے کیا کیا کہا۔ مگر فیصل اس کی سزا مجھے تو نہ دو۔ میں نے کیا گناہ کیا ہے۔
میں تو تڑپ رہی ہوں۔ فیصل خدا کے لئے اپنی روشی سے نہ روٹھو۔ رات ضرور آنا۔ میں تو کئی راتوں سے انتظار کر رہی ہوں۔ اور پھر صبح کے ستارے کے ساتھ میری آنکھوں کے آنسو جھلملانے لگتے ہیں۔
فیصل۔ آج رات ضرور آنا۔

تمہاری اپنی روشی

ہتوں روشنی ۔۔ اس کے لبوں پر ایک زہر خند ہنسی ابھری۔
یہ لڑکیاں ۔۔ یہ کھلونے ۔۔ سب ایسے ہی ہیں۔
مرنے لگیں گی ۔۔ روئیں گی۔ چیخیں گی ۔۔ اور پھر جیسے ہی ماں باپ
نے کوئی دھمکی دی۔ رو دھو کر چپ ہو گئیں۔ اور مجبوریاں بتانے لگیں۔
اچانک اسے یوں لگا۔ جیسے روشنی کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی ہو ۔۔
اور کہہ رہی ہو۔ فیصل ۔۔ میں تمہاری مجرم ہوں ٹھیک ہے' لیکن
تم ان معصوم بھولی بھالی لڑکیوں کو کیوں برباد کر رہے ہو۔۔
اپنے آپ کو سنبھالو۔ ۔۔ میں مجبور تھی۔ فیصل میں مجبور تھی۔
ہوں ۔ مجبور ۔۔۔۔ وہ ہنسا۔۔۔ اور روشنی غائب ہو گئی۔

شبراتی ۔۔ وہ زور سے چیخا۔
جی سرکار ۔۔ شبراتی دوڑا ہوا آیا۔
گاڑی نکلواؤ۔
بہت بہتر سرکار۔
وہ کپڑے تبدیل کرنے لگا۔۔۔ اور اپنی سیاہ آسٹن پر بیٹھ کر سڑکوں پر
بے مقصد چکر لگانے لگا۔
ایک سڑک سے گذرتے ہوئے اس نے دیکھا روشنی بس اسٹاپ پر کھڑی
ہے اور اس کی گود میں ایک بچہ ہے۔
تو اب ۔۔ یہ ماں بن گئی ہے۔
وہ اسے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کافی دیر تک وہ یونہی گھومتا رہا اور پھر جب گھر لوٹا تو ... پانچ بج چکے تھے۔

کوٹھی میں ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔

نہ جانے کون آیا ہے۔

کار سے اتر کر جونہی وہ کمرے میں آیا۔ تو اس کی آنکھوں میں وہ روشنی ابھری۔

اوہ — آپ — حسین لڑکی کو دیکھ کر بڑبڑایا۔

جی — حسن بکھرا ہوا تھا۔

آپ کو انتظار تو کرنا نہیں پڑا۔ اسے یاد آگیا کہ اس لڑکی کو اس نے ٹائم دیا تھا۔

جی نہیں — میں ابھی آئی ہوں۔

بیٹھیے — فیصل صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

شکریہ .....

آپ پڑھتی ہیں کیا — ؟

جی ہاں ..... ایف اے میں۔

آپ نے میرے سامنے ریکارڈ جمع کر لیے ہیں۔ فیصل ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

جی ..... جی ہاں .... وہ جھینپ رہی تھی۔

اچھا — اتنی کیا خوبی نظر آئی آپ کو — فیصل اصل مقصد کی طرف آرہا تھا۔

اور وہ چھوئی موئی کی طرح دوہری ہو گئی۔

جواب دیجئے نا ۔۔ ؟

ان کی تعریف نہیں کی جا سکتی ۔۔ وہ بمشکل کہہ سکی۔

لیجئے بات تو آپ نے ختم کر دی ۔۔ وہ تعریف کے قابل ہی نہیں ہیں گے۔

نہیں نہیں ۔۔ میرا یہ مطلب تو نہیں ہے۔ وہ سچ مچ گھبرا گئی۔

پھر کیا مطلب ہے ۔۔ ؟

مطلب۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ کہ آپ کی آواز بہت ہی اچھی ہے

فیصل نے اندازہ لگایا کہ پروین بے حد بھولی بھالی ہے۔ نیلگوں لباس میں وہ بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

آپ یہیں رہتی ہیں نا ۔۔ ؟

جی نہیں ۔۔ میں تو کراچی رہتی ہوں۔ یہاں میں تعلیم کے سلسلے میں آئی ہوں۔ اور چچا کے ہاں مقیم ہوں ۔۔ وہ جو اس دن میرے ساتھ تھیں نا ۔۔ وہ میری چچازاد بہن ہیں۔ وہ ننھے بچوں کی طرح اپنا حال اسے کہہ رہی تھی اور فیصل کی تجربہ کار آنکھیں اندازہ لگا رہی تھیں کہ پروین بالکل ہی معصوم ہے۔

شبراتی ٹرالی لئے آ رہا تھا۔ شبراتی نے جیسے ہی پروین کو دیکھا۔ وہ تڑپ اٹھا ۔۔ یہ حسین لڑکی۔۔۔۔ اف ۔۔ یہ کیوں یہاں آ گئی۔ میں اسے بتا دوں گا کہ فیصل کیا ہے۔۔۔ اسے دکھ ہوا۔

چائے کے دوران فیصل پر دین کو اپنی باتوں سے لبھاتا رہا۔ اور وہ بھولی بھالی معصوم لڑکی اس کی باتوں میں آگئی۔

آپ ہمارے ہاں آئیں گے نا۔ میں آپ کو چچا سے ملواؤں گی۔

میں آپ کے گھر۔ معاف کیجئے ابھی۔ مجھے چچا سے نہ ملوایئے۔

تو کل آپ ملیں گی نا مجھے۔

کہاں۔

اسی وقت یہیں آجایئے۔

اچھا۔ ٹھیک ہے۔

میں آپ کو پہنچا آؤں۔

آپ کو زحمت ہوگی۔

بلکہ راحت ہوگی ــ فیصل اسے گھورتے ہوئے کہنے لگا۔

اور وہ بُری طرح شرما گئی۔

اگلی سیٹ پر وہ فیصل کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ اس وقت وہ اپنے آپ کو بہت خوش نصیب سمجھ رہی تھی ... فیصل ملک کا نامور فن کار اس کے اپنے کالج میں کئی لڑکیوں نے اپنی کتابیں فیصل کی تصویروں سے سجا رکھی تھیں۔

اور اس کے گانے گنگنانی رہتی تھیں۔ اور اسی فیصل کے ساتھ وہ بیٹھی ہے ..... اسے یوں لگا جیسے اس کی روح جھوم رہی ہے۔

کہاں چلنا ہے۔ فیصل نے مسکرا کر پوچھا۔ اور وہ کھوئی کھوئی اسے اپنے گھر کا پتہ بتانے لگی۔

جب کسی سے کوئی پیمانِ وفا کرتا ہے
کانپ اٹھتا ہوں کہ میرا سا ہی انجام نہ ہو

دوسری صبح دس بجے نائلہ آ دھمکی۔ ابھی فیصل سو رہا تھا۔ وہ سیدھی اس کی خواب گاہ میں چلی آئی۔

نائلون کے نیلے نیلے پردوں کے پیچھے فیصل بے سدھ سو رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہی۔۔۔۔ اور پھر اس نے آہستہ سے پردے کھینچ دیئے۔ اور مسہری کے قریب ہی بیٹھ گئی۔۔۔۔۔۔ سوتے ہوئے فیصل کو دیکھتی رہی۔

نہ جانے پاگل لڑکی کو کیا سوجھی کہ وہ اپنی گداز انگلیاں اس کے پپوٹوں پہ پھیرنے لگی۔

فیصل کی آنکھوں نے جنبش کی اور آنکھیں کھولیں۔ خوشبو کا ایک بھبکا اس کے دماغ پر چھا گیا۔ وہ مسکراتی ہوئی نائلہ کو دیکھنے لگا۔

نائلہ نے اپنے ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھ دیئے۔ وہ مسکراتا رہا۔ نائلہ اپنی انگلیاں اس کے بالوں میں پھیرنے لگی۔

اس نے ہنس کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔۔۔۔
نائلہ۔ تم کتنی اچھی ہو۔
آپ بھی تو اچھے ہیں۔
فیصل نے اٹھ کر گاؤن پہنا اور ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ نائلہ تم ڈرائینگ روم میں اس البم سے دل بہلاؤ۔۔۔۔ میں دو منٹ میں آتا ہوں۔
وہ آپ کہتے کہتے تم پر آگیا تھا۔
نائلہ ہنستی ہوئی البم لے کر ڈرائینگ روم میں آگئی۔ فیصل کا ڈرائینگ روم بھی اس کی طرح خوبصورت تھا۔
ہلکے سبز رنگ کے پردے اور سبز رنگ کا صوفہ سیٹ جس پر سبز ساٹن کے نرم و گداز خوبصورت کشن۔ سبز اور سفید پھولوں والا ایرانی قالین۔ وہ مسکرا کر البم دیکھنے لگی۔
فیصل کی مختلف تصویریں تھیں۔
کسی جگہ وہ انعام لے رہا تھا کسی جگہ وہ گا رہا تھا۔ کہیں لوگوں میں گھرا ہوا تھا۔ کہیں پر وہ پھولوں کے ہاروں سے لدا کھڑا تھا۔ ہر ملک کی تصویریں تقریباً موجود ہیں۔
نائلہ تصویریں دیکھ کر اپنے آپ کو کمتر محسوس کرنے لگی تھی۔
فیصل بہت بڑا آدمی ہے۔ بین الاقوامی شہرت کا مالک۔
وہ ابھی البم دیکھ رہی تھی کہ فیصل ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔
کریم کیریلین شرٹ اور سفید پینٹ میں وہ بے حد حسین لگ رہا تھا۔

وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

اور پھر جب فیصل نے بھی اسی نقل میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو وہ جھینپ گئی۔

قبراقی ناشتے کی ٹرالی یہیں لے آیا۔ وہ دونوں ناشتہ کرنے لگے۔ میں نے ڈائٹنگ شروع کی تھی۔ لیکن پھر صبر نہ ہوسکا۔ نائلہ انڈا اپنی پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولی۔

ڈائٹنگ کس لئے۔ فیصل نے مسکرا کر پوچھا۔

اس لئے کہ میں موٹی بہت ہوں۔

نہیں نہیں۔ تمہارا جسم تو سڈول ہے اور بڑا جاذب۔

فیصل کو اس کی تعریف کرنے کا بہانہ مل گیا تھا۔

وہ شرماتی ہوئی دیکھنے لگی۔

دن کچھ گرم ہے کہاں چلیں۔ فیصل نے کہا۔

پکنک کے لئے۔

ہوں اکیلے پکنک کا کیا مزا آئے گا۔ پکنک تو پارٹی کے ساتھ لطف دیتی ہے۔

پھر ــــ؟

گھر میں ہی رہتے ہیں۔ باتیں کریں گے کچھ کھیلیں گے۔

کیا کھیلیں۔

تاش۔ کیرم۔

کیرم ٹھیک رہے گا۔

ٹھیک ہے پھر ۔۔۔؟

چائے کے بعد فیصل نے کچھ اور البم نائلہ کو دکھائے۔ نائلہ اس کی شخصیت سے کافی متاثر نظر آرہی تھی۔

خیراتی فیصل کے کہنے پر کیرم وہیں لے آیا۔

کچھ دیر وہ دلچسپ باتوں کے ساتھ کیرم کھیلتے رہے۔

فیصل اٹھ کر صوفے پر لیٹ گیا۔

بس بھئی میں تھک گیا۔

نائلہ بھی مسکراتی ہوئی دوسرے صوفے پر بیٹھ گئی۔

نائلہ

جی

میں تم سے محبت تو نہیں کرنے لگ گیا کہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے

نائلہ بے چاری کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور شرما گئی۔

فیصل اٹھ کر اس کے قریب آگیا۔ کتنی بار وہ یہ الفاظ دہرا چکا تھا۔ آج پھر یہ الفاظ دہرا کر وہ کچھ خوشی سی محسوس کر رہا تھا۔

اور پھر نائلہ بھی اس کی چکنی باتوں میں آکر سب کچھ بھول گئی۔۔۔۔۔۔

عزت۔ عصمت۔ شاید سب کچھ۔

فیصل کی وحشت محور آئی تھی اور انتقام کا ایک اور موڑ آچکا تھا۔

روشی۔۔۔ وہ قہقہے لگانے لگا۔

فیصل میرا نام روشنی تو نہیں ۔ حیران نائلہ نے پوچھ ہی لیا۔
تو میرے لئے روشنی ہو.... وہ ہنسنے لگا۔ اور نائلہ سمجھنے لگی کہ اس کا
محبوب اسے کوئی پیارا سا خطاب بخش رہا ہے۔

یہ اہتمام چراغاں بجا سہی لیکن!
سحر تو ہو نہیں سکتی دیئے جلانے سے

فیصل کچھ اس قسم کا جادوگر تھا کہ بس جس پر ایک وار چلا دیا وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپتا رہتا۔
یہی حال پروین کا تھا۔ رات کروٹیں بدلتے گزر گئی سب بے چاری کی اور صبح وہ کالج گئی تو ایک خیال میں کھوئی ہوئی تھی۔
پروفیسر کالج میں لیکچر دے رہی تھی۔ اور ایک مرتبہ اس نے پروین سے ایک پوائنٹ پوچھ لیا تو وہ گم سم سب کا منہ دیکھنے لگی۔ حالانکہ وہ کلاس کی ذہین طالبہ تھی۔ پروفیسر نے دوبارہ دہرایا تو وہ آہستہ سے کہنے لگی۔
ایکس کیوز می۔ یہ کیبن کون سا ہے۔
تو ساری کلاس ہنس پڑی۔
تو آپ کو ابھی تک یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ کون سا لین ہے۔ پروفیسر خفا ہوئیں۔ مگر پھر وہی اس کے خیالوں میں فیصل گھومتا نظر آ رہا تھا۔
یوں لگ رہا تھا جیسے پروفیسر بورڈ پر فیصل فیصل لکھ رہی تھیں۔ اگلے

پیریڈ میں وہ باہر لان میں نکل آئی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ اگلا پیریڈ تو کیا آج کوئی اٹینڈ نہ کریگی
درخت کے نیچے وہ اپنی اس اندھی چاہت کا اندازہ لگانے لگی۔ کیا وہ کامیاب
ہو سکے گی — وہ ایک بڑا فن کار ہے اس کی باتیں یاد کر کر کے وہ اپنے دل
میں ایک چبھن سی محسوس کر رہی تھی وہ پریشان حال سی گھر لوٹ آئی۔
اور پانچ بجنے کا انتظار کرنے لگی۔
خدا خدا کر کے چار بجے اور وہ تیاری کرنے لگی۔ ہلکے پیازی رنگ کی
ساڑھی کے ساتھ ہلکا ہلکا سفید نگینوں کا زیور۔
اس کا حسن چمک اٹھا لانبے بالوں کی ایک لمبی سی چوٹی کمر پر جھول رہی تھی۔
سیاہ چپل کے باریک فیتوں میں اس کے سفید سفید پیر چمک رہے تھے۔ پوری
طرح اپنا جائزہ لینے کے بعد وہ گھر سے نکلی۔
ٹیکسی لی اور فیصل کی کوٹھی کی طرف چل پڑی۔
سارے راستے اس کا ننھا سا دل دھڑکتا رہا۔ لیکن وہ انجام سے بے خبر
بڑھتی رہی۔
فیصل کی کار باہر کھڑی تھی۔
ٹیکسی کو پیسے دے کر وہ اندر داخل ہوئی۔ کچھ دیر پہلے فیصل نے نائلہ
کو رخصت کیا تھا۔ اور ابھی وہ اسی جگہ لیٹا تھا۔
پروین کو دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔
آئیے۔
پروین جھجکتی ہوئی آئی۔ وہ آج کچھ پریشان سی تھی۔

بیٹھئے نہ۔

لیکن وہ کھڑی رہی۔

بیٹھئے نا۔ اس نے میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

پروین بیٹھ گئی۔ تو وہ اٹھ کر قریب آ گیا۔

آپ — کچھ پریشان سی ہیں۔

جی — نہیں تو . . . . بالکل نہیں۔

اچھا تو پھر چپ کیوں ہیں۔

بس یونہی — مجھے نہ جانے کیا ہو گیا ہے — میرا کہیں دل نہیں لگتا۔ کالج میں۔ — گھر میں — اگر یہی حالت رہی تو بس پاگل ہو جاؤں گی۔ یہ کہتے کہتے اس کی خوبصورت آنکھیں چھلک آئیں۔

ارے . . . . اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ فیصل تکلفات کو چھوڑ اس کے قریب آ گیا۔

فیصل — وہ روندھی ہوئی آواز میں اتنا ہی کہہ سکی۔

پگلی۔ فیصل نے اس کا سر اپنے چوڑے سینے میں چھپا لیا۔ اور پروین کو جیسے سہارا مل گیا۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔

فیصل اس کے خوبصورت بالوں کو تھپتھپاتا رہا۔

اور پھر بادل برس گئے۔ مطلع صاف ہو گیا۔ پروین کے دل کا غبار نکل گیا اور وہ مسکرانے لگی۔

فیصل اسے اپنے ساتھ باہر لے گیا۔

کافی دیر تک وہ دریا کے کنارے گھومتے رہے۔ پھر رات کا کھانا بھی پیرس ہوٹل میں کھایا۔

فیصل نے اصرار کیا کہ پکچر بھی دیکھی جائے لیکن پروین کے گھر کا خیال کر کے چپ ہو رہا۔

رات وہ پروین کو چھوڑنے جا رہا تھا تو وہ بہت خوش تھی۔

فیصل ــ اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگا پروین کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ جس وقت تم آئیں اس وقت کتنی پریشان تھیں۔ اور اب خوش کیوں ہیں۔

اب ــ اب ــ مجھے کسی کی محبت مل گئی ہے شائد۔ وہ اپنے جذبات کی ترجمانی کے لئے کوئی لفظ نہ ڈھونڈ پائی۔

شاید کیوں ــ ؟

شاید..... ٹھیک ہی تو ہے۔

مجھے یقین نہیں ــ فیصل بے حد تجربہ کار تھا۔

مجھے کیا پتہ آپ ــ وہ رک گئی۔

میں ــ فیصل نے اس کا خوبصورت ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ اور وہ شرما کر گاڑی سے اتر گئی۔

اگر یہ اختیار ہو چھین لوں سب کی راحتیں
دردِ فراق بانٹ دوں یہی میرا انتقام ہو

فیصل نے شبراتی سے کہہ دیا تھا کہ اگر پُرانی ملنے والیوں میں سے کوئی آئے تو انہیں ٹال دے۔ لیکن آج شبراتی کے روکنے کے باوجود بیگم فضل الٰہی چلی آئیں تھیں۔

فیصل اسٹوڈیو جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا کیونکہ آج اس نے ایک گانا ریکارڈ کروانا تھا۔

ہیلو فیصل۔ وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

ہیلو ۔۔۔ زرینہ

مسٹر فضل الٰہی کیسے ہیں۔

وہ تو آج کل دورے پر گئے ہیں۔

اچھا۔ آیئے تشریف لائیے

تم کہیں جا رہے ہو فیصل۔

ہاں ۔ اسٹوڈیو۔ وہ اخبار مروڑتے ہوئے کہنے لگا۔

کس وقت جانا ہے؟

دس بجے ۔ آپ بیٹھئے۔ ابھی تو نو بجے ہیں۔ فیصل گھڑی دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

بیگم فضل الٰہی بے تکلفی سے صوفے میں دھنس گئی۔

فیصل آج میں تم سے ایک بات پوچھنے آئی ہوں۔

فرمائیے۔

تم میرے دوست ہو۔ اور ہم نے بہت وقت ایک ساتھ گذارہ ہے۔

بیگم فضل الٰہی مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔

آج آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ فیصل قہقہہ لگا کر بولا۔

فیصل تم اپنے آپ کو برباد کر رہے ہو۔

فیصل صرف اچٹتی سی نگاہ ڈال کر رہ گیا۔ آج بیگم فضل الٰہی کیسی ایسی باتیں کر رہی ہیں۔ حالانکہ وہ خود میری دوست ہیں پھر یہ نصیحت وہ آج کچھ حیران تھا

وہ تم میجر اکرام کو تو جانتے ہو نا ۔!

نہیں ۔ میں نہیں جانتا ۔ فیصل جان بوجھ کر انجان بن گیا۔

ویسے میں یہ جانتی ہوں کہ تم اسے جانتے ہو لیکن پھر بھی کہہ دیتی ہوں۔

وہ تمہاری روشنی کے شوہر ہیں۔

ہاں ۔ تو پھر ۔ فیصل کی مسکراہٹ کچھ تلخ ہو گئی

روشنی مجبور ہے!

بہت پرانی بات ہے یہ تو ۔ فیصل نے قہقہہ لگایا۔

تم سمجھتے کیوں نہیں۔
میرا روشی سے کیا تعلق ہے!
وہ بے چاری غم سے بیمار پڑگئی ہے اسے تمہاری باتوں کا پتہ چلتا رہتا ہے۔
پھر میرا کیا۔!
تم نہیں سمجھو گے؟
آپ شاید حقیقتِ حال سے واقف نہیں ہیں۔ فیصل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ تو پھر تم ہی بتاؤ۔ بیگم فضل الٰہی کرید رہی تھیں۔
اس نے کچھ نہیں بتایا۔!
اس نے تو بس یہی بتایا ہے کہ کبھی تم کو اس سے شدید محبت تھی۔
فیصل کے ہونٹ بھنچ گئے۔ اس کے چہرے کی رگیں اُبھر آئیں۔
میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا زرینہ۔ بس میں ایک وحشی ہوں۔ مجھ سے کسی نے محبت نہیں کی۔ میں کبھی کسی سے محبت نہیں کر سکتا لوگ مجھے کھلونا سمجھتے ہیں۔ میں لوگوں کو کھلونا سمجھنے لگ گیا ہوں۔ کبھی مجھے ذلیل کیا گیا تھا۔ اب میں بھی لوگوں کو ذلیل کروں گا۔ وہ میرے جذبات سے کھیلی۔ اور میں بھی یہ کھیل کھیلتا رہوں گا۔
وہ مجبور تھی۔ بیگم فضل الٰہی نے درمیان میں ٹوک دیا۔
مجبور۔ اس کے لبوں پر تلخی زیادہ گہری ہو گئی۔
مجبور۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتی۔ زرینہ۔ کہ یہ مجبوری کیا چیز ہے۔ یہ تو زندگی کے ساتھ ہے ہی۔ لیکن اس کو۔ ۔ ۔ ۔

بس کرو فیصل — خدا کے لئے سمجھو۔ بیگم فضل الٰہی نے پھر ٹوک دیا۔
تو بس ذرینہ یہ سمجھو — کہ میں یہ کھیل کھیلنے پر مجبور ہوں۔
اپنی وحشت کے ہاتھوں — دل کے ہاتھوں۔ ان شعلوں کے ہاتھوں
جو میرے دل میں ایک آگ سی لگائے ہوئے ہیں۔ مجھے سب لڑکیاں روشی
نظر آتی ہیں۔ کچھ دن وہ کسی کے جذبات سے کھیلتی ہیں۔ اور پھر وہی مجبوری
.... مجبوری کہہ کر اپنا دامن چھڑا لیتی ہیں۔
تم نے اسٹوڈیو بھی تو جانا ہے۔ بیگم فضل الٰہی نے وقت کا احساس دلایا۔
فیصل اٹھا اور معذرت کرتے ہوئے باہر نکلا۔
آپ اپنی کار میں آئی ہیں کیا —!
ہاں تم جاؤ — مجھے روشی کے پاس جانا ہے۔
یہ روشی آپ کی سہیلی کیسے بن گئی۔ فیصل نے طنز کیا۔
تمہارے ہاتھوں بڑی دکھی ہے بے چاری۔ گھر کی بھی نہیں رہی۔
بڑی خوشی کی بات ہے پھر تو — ! فیصل مسکرا کر برآمدے کی سیڑھیاں اتر گیا۔
دونوں اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ کر اپنی اپنی راہ ہو لئے۔
اسٹوڈیو — فیصل کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔
گانے کی ریہرسل تو پہلے ہو چکی تھی بس ریکارڈ کرنا باقی تھا۔
موسیقار غلام علی صاحب بازو چڑھائے بیٹھے تھے۔
تقریباً دو بجے تک گانا ریکارڈ ہوا۔
فیصل باہر نکلنے ہی والا تھا کہ اسے میڈیم نازی نے گھیر لیا۔

کہاں رہتے ہو فیصل آج کل۔

اسی زمین پر۔ فیصل نے مسکرا کر جواب دیا۔

نظر نہیں آتے نا۔ نازی اپنا میک اپ ٹھیک کرتے ہوئے کہنے لگی۔

کیا کوئی ریکارڈنگ تھی۔

ہاں ابھی فارغ ہوا ہوں تم فارغ ہو گیا۔ فیصل نے پوچھا۔

کہاں فارغ ہوں۔ ابھی تو شوٹنگ شام تک ہے۔ شام گھر آنا۔

لوگوں کے دلوں پر راج کرنے والی ہیروئن بھی فیصل کی پرستار تھی۔

کوشش کروں گا۔ فیصل نے کہا۔

کوشش نہیں ضرور

اچھا۔ اوکے

اوکے۔

فیصل سیدھا گھر آیا۔ اسے نازی کچھ اچھی نہ لگتی تھی۔ نہ جانے کیوں۔

روشنی کی حالت اس کر وہ مسکراتا رہا۔

اور پھر اس نے اپنی مٹھیاں سختی سے بھینچ لیں اس لمحے نائلہ آ گئی اور پھر

اس نے بھینچی ہوئی مٹھیاں انتقام کے جذبے سے کھول دیں۔

آپ طلاطم کی بات کرتے ہیں
لوگ ساحل پر ڈوب جاتے ہیں

گرمی بہت بڑھ گئی تھی۔
کالج بھی بند ہو گئے تھے۔
فیصل کا ارادہ پہاڑ پر جانے کا تھا۔ اس نے اپنا یہ خیال نائلہ سے پوشیدہ رکھا۔ نائلہ سے اس کی طبیعت کچھ اچاٹ سی ہو گئی تھی۔ اور نائلہ تقریباً ہر روز آ دھمکتی۔ اور آتی کیوں نا۔ وہ تو فیصل سے شادی کرنے کے خواب جو دیکھنے لگی تھی۔ اور دیکھتی بھی کیوں نا آخر فیصل نے اسے اپنا جو بنایا تھا چکنی چپڑی باتوں سے۔
اس کے برعکس اس نے پروین کو ان موڈرن لڑکیوں سے کچھ مختلف سا پایا تھا۔ وہ جب بھی اسے ملتی۔ پریشان رہتی۔ بات بات پر اس کی آنکھیں چھلک آتیں۔ بات بات پر اس کی آواز رُک سی جاتی اور اسی وجہ سے پروین کچھ ان لڑکیوں سے اسے کچھ مختلف نظر آتی۔
وہ عموماً کئی کئی دنوں بعد آتی۔
اور اب جبکہ کالج بند ہو گیا تو وہ اس کے انتظار میں تھا۔

اور اسی دوپہر وہ آگئی۔
پسینے میں شرابور۔ گرمی سے چہرہ تمتمایا ہوا۔
وہ اس وقت اپنے کولڈ روم میں تھا۔
پروین — اسے دیکھ کر وہ اٹھ بیٹھا۔
اتنی دوپہر میں — وہ مسکرایا۔
جیسے نہ رات کا پتہ ہو نہ دن کا۔ اسے کیا معلوم دوپہر کیا ہوتی ہے۔
فیصل نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ رومال سے اس کے چہرے کا پسینہ صاف کرنے لگا
شبراتی جلدی سکوائش لاؤ۔
پروین مسکراتی رہی۔ شبراتی سکوائش لے آیا۔ وہ میٹھی میٹھی نظروں سے
دیکھتے ہوئے اسکوائش پیتی رہی۔
میں کراچی جا رہی ہوں فیصل۔
کراچی — کب۔
کل صبح۔
اوہ۔ پھر ساری چھٹیاں وہیں گزاریں گی کیا۔
ہاں اور کیا — تم نے کہیں جانا نہیں۔
پہاڑ جانے کا ارادہ ہے۔
کب — ؟
کل ہی — تمہارے بغیر نہیں رہا جائے گا۔
اور نہ جانے اس لفظ میں کیا جادو تھا کہ پروین کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

اس کا ہمیشہ یہی حال ہوا ویسے وہ اچھی بھلی اس سے باتیں کرتی رہتی۔ لیکن جونہی فیصل کوئی محبت بھرا جملہ کہتا وہ رونے لگتی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم میرے ساتھ چند دن کے لئے پہاڑ پر چلی چلو۔

فیصل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

میں تمہارے ساتھ۔ وہ حیرت سے کہنے لگی۔

ہاں کیوں۔ خدا کے لئے پروین مان جاؤ۔

مگر گھر میں ابا جان۔

انہیں تار دے دینا کہ میں کچھ دن کے لئے اور رک گئی ہوں۔

اور چچا سے کیا کہوں گی۔

ان سے کہہ دینا کراچی جا رہی ہوں۔

مگر کراچی کی گاڑی تو اس طرف جاتی ہے اور وہ آئیں گے اسٹیشن پر۔

فیصل کچھ سوچنے لگا۔ اور پھر ہاتھ نچاتے ہوئے کہنے لگا۔

میں تمہیں منٹگمری سے اتار لوں گا۔

کیسے؟

کار سے کر پہلے ہی پہنچ جاؤں گا۔

نہیں فیصل۔

نہ سہی۔ فیصل منہ موڑ کر بیٹھ گیا۔

فیصل۔ پروین نے پکارا۔

فیصل نے کچھ جواب نہ دیا۔

فیصل کچھ تو خیال کرو یہ کیسے ممکن ہے — اس نے التجا کی۔
سب کچھ ممکن ہے۔ صرف چار پانچ دن رہنا۔ زیادہ نہیں۔
وہاں سے بائی ایئر کراچی چلی جانا۔ پلیز — پروین —
میری خاطر۔ اپنے فیصل کی خاطر۔
اور پروین نے اقرار کر لیا۔
پروین نے ایک خیال سے چونک کر ایک دم پوچھا۔
فیصل — وہ کل تمہاری موٹر میں نازی کیوں بیٹھی تھی۔
نازی — وہ ایک پاگل عورت ہے۔
پاگل عورت یا ہیروئن دی گریٹ۔ پروین نے مسکرا کر کہا۔
خواہ مخواہ سیریس ہو گئی ہے۔
تم نے لفٹ دی ہوگی نا — ؟
نہیں ڈیئر۔ ایسا بالکل نہیں۔
اور پروین مطمئن ہو گئی۔
شام تک وہ وہیں رہی۔ اور پھر پروگرام طے کر کے روانہ ہوئی۔
اور فیصل مسکرا دیا۔

اک تو نے بھی زیب محبّت دیا مجھے
کچھ ٹھوکریں بھی کھائیں میرے اعتماد نے

منٹگمری کے اسٹیشن پر بڑی چہل پہل تھی۔ فیصل پلیٹ فارم پر کھڑا دور نگاہ جمائے ہوئے کچھ دیکھ رہا تھا۔

اچانک اس کی نگاہیں ٹھٹھک گئیں۔ روشی اپنے خاوند اور بچے کے ساتھ کچھ سامان کے ساتھ کھڑی تھی۔ روشی نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

فیصل مسکراتا ہوا پل کے نیچے کھڑا رہا۔

دور گاڑی ایک نقطے کی طرح نظر آنے لگی۔ اور پھر اسٹیشن پر کھلبلی سی مچ گئی۔ انجن ایک زلزلے کے ساتھ پلیٹ فارم سے گزر گیا۔ پروین سیکنڈ کلاس کے ڈبے میں کھڑی تھی۔ فیصل نے اسے دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

وہ سفید ساڑھی اور سیاہ دھوپ کے چشمے میں بڑی پیاری لگ رہی تھی فیصل نے اسے اتار لیا اور قلی نے پروین کا سامان بھی اتار لیا۔

روشی اسی ڈبے میں سوار ہوئی تھی اور حسرت سے اسے دیکھتی رہی۔

فیصل نے روشی کے سامنے پروین کا ہاتھ تھام لیا۔

چلو ڈیئر۔۔
اور وہ اپنا دل مسوس کر رہ گئی۔
اسٹیشن سے باہر کار کھڑی تھی۔ فیصل نے پروین کا سامان رکھا۔۔
پروین اگلی سیٹ پر ہی بیٹھ گئی۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا اپنی اس جسارت پر۔
فیصل نے گاڑی اسٹارٹ کی اور گاڑی شہر سے نکل کر ایک لمبی سڑک پر گم ہوگئی۔
کچھ پیو گی۔ فیصل نے سڑک کے کنارے ایک بڑا سا ہوٹل دیکھ کر گاڑی روکی۔
تمہاری مرضی۔ پروین اس وقت گھر کے خیالوں میں کھوئی تھی۔
فیصل نے اتر کر ہوٹل کے بیرے سے کچھ کہا
اور خود واپس آگیا۔
ہم کب تک پہنچیں گے۔ پروین نے نظریں جھکائے ہوئے پوچھا۔
اب ہم لاہور جا رہے ہیں۔ کچھ ہی دیر میں پہنچ جائیں گے اور پھر وہاں سے بائی ایئر
پنڈی۔ اور پھر مری۔
پروین چپ رہی۔
پچھتا رہی ہو میرے ساتھ آنے میں۔ فیصل نے تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا
نہیں ۔۔ پروین مسکرائی۔
بیرا ٹھنڈا ٹھنڈا کوکا کولا لے آیا۔
فیصل نے پروین کی طرف بوتل بڑھائی۔ پروین نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے
بوتل تھام لی۔
بل ادا کرنے کے بعد فیصل نے موٹر پھر اسٹارٹ کر دی۔

کچھ ہی دیر میں وہ لاہور پہنچ گئے۔ فیصل کا ڈرائیور سامان لے کر ائیرپورٹ پہنچ چکا تھا۔ سیٹیں فیصل پہلے ہی بک کروا چکا تھا۔

جہاز تیار ہو چکا تھا وہ پروین کو لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ سیٹ پر بیٹھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

پروین ــ

وہ چپ رہی۔

اداس کیوں ہو۔ مجھے دیکھو میں کتنا خوش ہوں۔ پتہ ہے میں چوری بھاگا ہوں یہاں سے۔ میرے کئی ایک کنٹریکٹ ہیں ریکارڈنگ کے لئے۔

اچھا ــ پروین ہنس دی۔

جہاز فلائی کر گیا۔

اور فیصل اسے ہنساتا رہا۔

شام ہونے سے پہلے وہ پنڈی پہنچ گئے۔ ٹیکسی لے کر وہ ہوٹل آ گئے۔
میرا خیال ہے رات یہیں قیام کیا جائے۔ کیونکہ تم بھی تھک چکی ہو گی۔
جیسے تمہاری مرضی ــ

فیصل مینجر کے پاس چلا گیا۔ اور پروین کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ اچھا خاصہ بڑا کمرہ تھا۔ فرش پر سرخ قالین۔ دو پلنگ۔ صوفہ۔ کرسیاں۔ میز۔ ایک سنگار میز ایک طرف رکھی تھی۔ بڑی بڑی کھڑکیوں پر نیلے پردے لٹک رہے تھے۔
وہ کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی نیچے بل کھاتی ہوئی سڑک تھی۔ جس پر موٹر سائیکل رکشا۔ اور بسیں پھسلتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں ــ

فیصل واپس آیا۔ اس کے پیچھے بیرا چائے کی ٹرے تھامے ہوئے تھا۔
فیصل نے خود ہی چائے بنائی۔
پروین ۔ وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا۔
منیجر نے میرے پوچھے بغیر لکھ لیا۔ فیصل اینڈ مسز فیصل۔
پروین شرما گئی۔
کیا خیال ہے کہیں چلنا ہے ۔ فیصل نے چائے کے بعد پوچھا۔
میں تو تھک گئی ہوں۔
اچھا تو پھر نہیں جاتے۔ اور پروین کو فیصل کی فرمانبرداری پر ہنسی آگئی۔
پروین کپڑے نکال کر غسل خانے چلی گئی۔ اور فیصل سگریٹ سلگا کر بستر پر لیٹ گیا۔
ایک بار اس کے دل میں چھپی ہوئی ہمدردی نے کہا۔
فیصل ۔ یہ کیا کر رہے ہو۔ اس معصوم سی لڑکی کو برباد نہ کرو۔ کتنا
چاہتی ہے وہ تمہیں۔ ایک روشی کا بدلہ تم ان سب سے کیوں لے رہے ہو۔۔۔
سب ایک جیسی نہیں ہیں۔ روشی بے وفا تھی ۔ سب نہیں ہو سکتیں۔
لیکن اسی لمحے ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری۔
سب ایک جیسی ہیں ۔ سب ایک جیسی ہیں۔
پروین ایک شاداب پھول کی طرح غسل خانے سے نکلی۔ سبز رنگ کے
کپڑوں میں اس کا ملکوتی حسن چمک اٹھا۔
فیصل اسے اشتیاق سے دیکھ رہا تھا۔ پروین اسے یوں دیکھتے ہوئے شرما گئی۔
پروین ۔ یہاں آؤ۔۔۔

وہ جھجکتی ہوئی پلنگ پر بیٹھ گئی۔

کچھ سوچ کر فیصل اسی طرح کہتا رہا۔

تم کتنی اچھی ہو۔ اور میں کتنا بُرا۔ یہ تم نہیں جانتی۔ شاید پروین کا معصوم حسن اسی سے سب کچھ اگلوا رہا تھا۔

یہ کیا کہہ رہے ہو فیصل۔ میں تو اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتی۔ تم بہت بڑے فن کار ہو۔ پروین سچ مچ رودی۔

تم رونے کیوں لگی ہو پگلی۔ وہ اس کے آنسو صاف کرتا رہا۔

رات کا کھانا دونوں نے وہیں کھایا۔ اور پھر پروین کپڑے تبدیل کرکے اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ وہ کچھ جھجک سی رہی تھی۔ فیصل نے محسوس کیا اور اسے تھپک تھپک کر سلادیا۔ باہر رات تاروں بھری تھی۔

کسی کے دردِ محبت نے عمر بھر کے لئے
خدا سے مانگ لیا انتخاب کر کے مجھے

مری پہنچ کر فیصل نے ایک ہوٹل میں قیام کیا۔
پروین نے فیصلہ کر لیا تھا کہ یا تو وہ فیصل کو پالے گی اور یا اس کے لئے جان دے دے گی۔ اس فیصلے نے اس کے چہرے پر سکون پیدا کر دیا تھا اور گزری ہوئی رات نے بھی اس پر بُرا اثر کیا تھا۔ فیصل اپنے بستر پر سویا ہوا تھا۔ حالانکہ کمرے میں وہ دونوں اکیلے تھے۔
پروین کے دل میں جو ڈر تھا وہ ختم ہو گیا تھا اور اب وہ ہشاش بشاش نظر آ رہی تھی۔
فیصل بھی چالاک شکاری تھا وہ ہر طرح اس کا دل بہلاتا رہا۔
وہ دن سارا گھومتے ہی گزرا۔
پروین نے بغیر آستین کا سیاہ بلاؤز پہن رکھا تھا اور ہلکے گلابی رنگ کی ساڑھی
فیصل سفید پینٹ اور سفید قمیض میں۔ دونوں بہت ہی خوش تھے۔
ایک اور واقعہ رونما ہوا جس سے پروین فیصل کے اور قریب ہو گئی۔
ہوا یوں کہ وہ دونوں مال روڈ پر گھوم رہے تھے کہ ایک سفید گاڑی انکے قریب آ کر رک گئی۔

فیصل اور پروین دونوں نے ایک ساتھ دیکھا گاڑی میں نازی بیٹھی تھی۔
مسکرا کر کہنے لگی۔

ہیلو فیصل۔

اوہ نازی — فیصل نے کہا اور گاڑی کے قریب آ گیا۔
نازی دروازہ کھول اتر آئی اور معنی خیز نگاہوں سے پروین کی طرف
دیکھنے لگی۔ جو اس سے زیادہ حسین تھی — جس کے حسن میں کلیوں کا سا نکھار تھا۔
اور چہرے پر ایک پیاری سی معصومیت تھی۔
فیصل نے دونوں کا تعارف کروا دینا ضروری سمجھا۔
پروین انہیں تو تم جانتی ہوگی کئی فلموں میں ہیروئن آ چکی ہیں۔
مس نازی۔

اور مس نازی یہ ہیں پروین۔ میری منگیتر۔ پروین تو اس لفظ سے کھل اٹھی۔
اور نازی کے چہرے پر کچھ سائے سے گزر گئے۔ ان دونوں نے رسمی الفاظ کے بعد
ہاتھ ملایا۔

تم کب آئے فیصل — نازی پروین کو نظر انداز کر گئی اور وہ بھی
بے پرواہی ہو کر مال روڈ پر گزرتے ہوئے رنگین آنچلوں میں کھو گئی۔
میں تو کل ہی آیا ہوں — تم کیسے آئیں۔ کیا ریسٹ لینے۔
اپنی قسمت میں ریسٹ کہاں۔ نیچر کے بالم کی شوٹنگ ہے۔
کتنے دن رہو گی — ؟ فیصل نے پوچھا۔
ایک مہینہ۔

اوگڈ۔ فیصل مسکرایا۔ پروین کے جانے کے بعد اسکے دن تو اچھے گزر جائیں گے نا۔
نازی پروین سے ہاتھ ملا کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ اور تلخ نظروں سے دیکھتی ہوئی
واپس ہو گئی۔
فیصل نے حقارت سے جاتی ہوئی موٹر پر نظر ڈالی۔
کیا ہوا۔ پروین مسکرائی۔
خواہ مخواہ پیچھے پڑی جاتی ہے یہ عورت۔
اور پروین کا سر کچھ فخر سے اونچا ہو گیا۔ ہیرو فلاں دی گریٹ جس پر ایک دنیا
مرتی ہے۔ جس کی فلموں پر اتنا رش ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ اور اس کے محبوب نے
اسے ٹھکرا دیا۔ صرف میرے لئے۔
چپ کیوں ہو گئیں پروین۔ فیصل نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
تم کتنے اچھے ہو۔ پروین کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنا بھی مشکل نظر آرہا تھا۔
بس۔ فیصل نے چہرے پر بل ڈال کر کہا۔
اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
اب تم آج سے میری منگیتر ہو۔ سمجھیں۔
وہ شرم سے دوہری ہو گئی۔
ہونا۔ بتاؤ۔ فیصل کو اس کا شرمانا بہت اچھا لگا۔
وہ چپ رہی۔
بھئی بتاؤ نا۔ فیصل گھٹنے ٹیک کر نیچے بیٹھ گیا۔
ہاں۔ اس نے آہستہ سے کہا تو فیصل اچھل پڑا چلو پھر آج منگنی کی

خوشی منا ڈالی جائے۔

چلو۔ وہ دونوں مسرت سے سرشار بڑھے چلے گئے۔ ایک جوہری کی دوکان سے فیصل نے ایک خوبصورت سی انگوٹھی خریدی۔ پلاٹینم میں چھوٹے چھوٹے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔

یہ آج رات میں تمھیں پہناؤں گا۔ فیصل نے مسکراتے ہوئے ڈبیہ جیب میں ڈال لی۔

اور پروین تو آنے والے دنوں کے تصور میں ابھی سے کھوئی ہوئی تھی جب وہ بیگم فیصل بن کر ہر جگہ جایا کرے گی تو لڑکیاں کس طرح رشک سے دیکھا کریں گی اور اسکی وہ کلاس فیلو لڑکیاں جو فیصل پر جان چھڑکتی تھیں حسد سے مر جائیں گی۔

اور پھر فیصل جیسا ساتھی اس کے ساتھ ہوگا۔ وہ اپنے معصوم سے خیالوں میں گھری ہوٹل آ ئی۔

پروین ڈیئر۔ آج اپنا سب سے پیارا جوڑا نکال کر پہنو۔ اور خوب سنگھار کرو۔ فیصل نے فرمائش کی۔

میرے پاس اتنا بھڑکیلا جوڑا تو کوئی نہیں۔ سب سادے ہیں۔

اچھا تو میں ابھی آیا۔ فیصل چٹکی بجاتا ہوا کہنے لگا۔

وہ فوراً نیچے اتر آیا۔

اور پروین اپنے کپڑے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ منگنی۔ آج اسکی منگنی تھی۔ کچھ دیر کے لئے وہ گھر کا خیال کر کے لرز گئی۔ لیکن کوئی بات نہیں وہ سب کو منالے گی اور فیصل کو داماد بنا نا تو ابا جان کو خوش کر دے گا۔ اس کے بھائی

فیصل کی آواز کے فریفتہ تھے۔ اور پھر جب انہیں معلوم ہوگا کہ فیصل اب ان کے خاندان کا ہی ایک فرد ہے تو پھر وہ خوشی سے حیران ہو جائیں گے وہ سوچتی رہی کہ فیصل کو کس طرح گھر والوں سے ملوائے گی۔ کہ فیصل آگیا۔

ارے تم ابھی تک یونہی بیٹھی ہو۔ بی دلہن۔ آج تو تم نے دلہن بننا ہے۔ منگنی بھی تو آدھی شادی ہوتی ہے۔

اور وہ خوش آئند خیالوں سے چونک کر اٹھی۔ فیصل کے ہاتھوں میں بہت سے بنڈل تھے اور بہت سی قیمتی سنگھار کی چیزیں۔

وہ بنڈل کھول رہا تھا۔ سُرخ رنگ کی تاروں بھری ساڑھی جس پر بہت سا سنہری کام ہوا تھا۔ ایک اور ٹیشو ساڑھی تھی جو ساری کی ساری سنہری تاروں سے بنی ہوئی تھی۔ دو چار ساڑھیاں اور تھیں۔

یہ اتنی ساری ساڑھیاں۔ وہ حیرت سے کہنے لگی۔

تو کیا ہوا۔ تم میری جو ہو — آج سے تم میری چیزیں استعمال کرنا فیصل کے لیے وہ پہلی لڑکی تھی جس کے لئے وہ اتنا اہتمام کر رہا تھا۔

کبھی کبھی اس کے دل میں ہمدردی کی ایک لہر پروین کے لئے اٹھتی لیکن پھر دب جاتی۔

پروین سنہری ٹیشو کی ساڑھی اور اس کی طرح کا بلاوز لے کر غسل خانے چلی گئی۔ فیصل کچھ دیر کے لئے باہر نکل گیا۔

پروین بڑی ہی محنت سے اپنا سنگھار کر رہی تھی۔ ساڑھی اور بلاؤز پہن کر اپنے لمبے لمبے بالوں کو سنوارنے لگی۔ اور پھر پوری طرح میک اپ کرنے کے بعد

اپنے حسن کا جائزہ لینے لگی۔ اس سنگھار سے وہ کندن کی طرح چمک اُٹھی۔ وہ مسکراتی ہوئی باہر نکلی تو فیصل کمرے میں موجود نہ تھا۔ صوفے پر بیٹھ کر وہ اس کا انتظار کرنے لگی۔ باہر تاریکی پھیل رہی تھی۔ شہر کی بتیاں روشن ہو چکی تھیں۔ کمرے میں اندھیرا ہو چکا تھا لیکن وہ اپنے خیالوں میں اتنی مگن تھی کہ بتی جلانے کا ہوش ہی نہ رہا۔ کچھ دیر بعد پنچ سے کمرے کی ٹیوب لائٹ جل اُٹھی۔ اس نے چونک کر دیکھا تو سامنے فیصل کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ اسے محبت کے عالم میں دیکھتا رہا۔ کتنا پیارا سا حسن تھا۔

پروین نے نظریں جھکا لیں۔ کتنی دیر تک وہ یونہی کھڑا رہا اور پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ جذبات کی شدت نے اس کی زبان جیسے بند کر دی تھی۔ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ اور ٹک ٹک پروین کی طرف دیکھتا رہا۔

فیصل — پروین نے اسے جھنجھوڑا۔

پروین — اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔

کیا ہو گیا تمہیں — وہ آہستہ سے کہنے لگی۔

اوہ — جیسے اسے سب کچھ یاد آ گیا اور وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ اور ڈبیہ میں سے انگوٹھی نکال کر پروین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سفید سا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا اور اس کے اپنے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ حالانکہ وہ ایک تجربہ کار کھلاڑی تھا۔ کئی لڑکیاں اس کے ہاتھوں برباد ہو چکی تھیں لیکن آج اس کی حالت کچھ عجیب سی تھی۔

اور پھر اس نے مسکرا کر انگوٹھی اس کے ہاتھ میں پہنا دی۔ پروین کا نوں

تک سرخ ہوگئی تھی۔ اور اس کے چہرے پر ایک دل آویز مسکراہٹ تھی۔

فیصل نے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ اور پھر اس کی گھبراہٹ ختم ہوگئی اور وہ پروین سے میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا۔

کھانے کا وقت ہو چلا تھا۔ بہرا باہر کھڑا تھا۔ فیصل نے کھانا وہیں منگوا لیا اور وہ اپنے ہاتھ سے پروین کو کھلاتا رہا۔ کھانے کے بعد وہ اسے گانا سناتا رہا۔ اور پروین تو آج اپنے آپ کو بلندیوں پر اڑتا دیکھ رہی تھی اسے کیا معلوم کہ وہ جسے بلندی سمجھ رہی ہے۔ وہ ایک تاریک کھڈ کے سوا کچھ نہیں۔ باہر رات بھیگ رہی تھی۔ اور اسی رات پھر وہ اس کھڈ میں گر گئی جسے اس نے بلندی سمجھ رکھا تھا۔

بڑے خلوص سے جس نے زیب کھائے ہیں
وہ ہیں تمہیں میری بے لوث دوستی ہو گی

فیصل ــ !

کیا ہے ڈیر ــ !

شادی سے پہلے ــ وہ کہنے کے باوجود بھی فقرہ پورا نہ کر سکی۔

تو کیا ہوا ــ تم اب بھی میری ہو ــ بعد میں میری ہو ــ اور پھر شادی کون سی دور ہے۔ مجھے تمہاری پڑھائی کی ضرورت نہیں تم اب کراچی جاؤ گی اور جب واپس آنے لگو گی میں پہنچ جاؤں گا۔ اور پھر ــ شادی.... وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

ایسی تو کوئی بات نہیں فیصل ــ پروین مر کر بھی تمہاری رہے گی۔

پروین کو یقین ہو گیا تھا کہ فیصل بالکل دھوکے باز نہیں ہے اور پروین پر کیا منحصر ــ فیصل کی باتیں تو ایسی لچھے دار تھیں کہ نازی جیسی جہاں شناس ایکٹرس بھی غلط فہمی میں مبتلا تھی اور چالاک سے چالاک لڑکیاں بھی اپنی سب چالاکی بھول گئیں اور پروین تو ایک بھولی بھالی لڑکی تھی۔

فیصل اسے باہر لے گیا۔ دیر تک وہ گھومتے رہے۔ اس دن فیصل جیب

چاپ تھا۔ اس کی یہ خاموشی پروین سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکی۔

فیصل خاموش کیوں ہو ۔۔!

سوچ رہا ہوں اتنا عرصہ تمہاری جدائی کیسے برداشت کرسکوں گا۔

وہ ۔۔ اپنی خاموشی کا دوسرا مطلب پروین کو سمجھانے لگا۔ اور پروین بھی اداس ہوگئی وہ اپنے بارے میں سوچنے لگی کہ کیسے فیصل کے بغیر اتنا عرصہ گذار سکے گی۔

وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

اب تم کیوں خاموش ہوگئیں ۔۔ فیصل مسکراتے ہوئے بولا۔

یُں ۔۔ پروین کی آنکھیں چھلک آئیں۔

خدا کے لئے دو دن اور رُک جاؤ ۔۔ فیصل نے التجا کی۔

پھر کیا ہوگا دو دن سے ۔۔!

تمہیں جی بھرکر دیکھ تو سکوں گا۔ فیصل نے کہا۔

اور پروین بُری طرح رو دی ..... اس دن اس کی آنکھیں بہت سُرخ تھیں۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔

فیصل نے محسوس کیا۔ وہ اس کا سر دباتا رہا۔ اور پروین نے دو دن اور رکنے کا فیصلہ کر لیا۔

اور اس طرح یہ چار دن بھی گزر گئے۔ جو پروین کے لئے نئے تھے۔ اور فیصل کے لئے پُرانے اور شاید کچھ انوکھے بھی۔

وہ پروین کو ہر طرح کی تسلیاں دیتا رہا۔ اور پروین کو تو اس پر کچھ شک ہی نہ تھا وہ اطمینان سے آنے والے دنوں کے تصوّر کے تانے بانے بنتی رہتی۔ البتہ جدائی سے وہ خائف ضرور تھی کہ فیصل کے بغیر کیسے رہ سکے گی۔

شاید سکون ہی نہیں میرے نصیب میں
نظروں کے پاس رہ کر بھی تڑپا رہے ہو تم

پروین نیند سے اُٹھی تو اس کا سر بے حد بھاری ہو رہا تھا شدت گریہ سے آنکھیں لال بھبوکا ہو رہی تھیں۔

آج وہ جا رہی تھی ــ اور گزری ہوئی رات ۔ وہ فیصل کے سینے سے لگی روتی رہی تھی۔ ساری رات اس کی یونہی گزری تھی۔ صبح کے قریب فیصل نے اسے زبردستی سونے کے لئے راضی کر لیا تھا۔

وہ بجھی بجھی سی اپنے کپڑے سمیٹنے لگی۔

فیصل نے بستر پر لیٹے لیٹے انگڑائی لی۔

کیا کر رہی ہو پروین ــ اس نے وہیں سے پوچھا۔

چیزیں سمیٹ رہی ہوں ــ وہ بھرائی ہوئی آواز سے کہنے لگی۔

ارے تم پھر رو رہی ہو ــ ساری رات روتی رہی ہو۔ یہاں آؤ۔ وہ اس کے پاس آ گئی۔

فیصل نے اسے بستر پر ہی کھینچ لیا۔ تمہیں میری قسم کہ آئندہ روؤ گی تو نہیں۔ پگلی روتی کیوں ہو۔ خواہ مخواہ ۔۔۔ وہ اس کی آنکھوں کے گوشے صاف کرتا رہا۔

فیصل۔۔۔ میں تمہارے بغیر مر جاؤں گی۔

مریں تمہارے دشمن ۔۔۔ لو اب ہنسو۔۔۔ اور ہنستے ہوئے رخصت ہو۔ تاکہ تمہاری اس مسکراہٹ کے سہارے میں بھی یہ جدائی کے دن گزار لوں۔

وہ آنسوؤں کے درمیان مسکرا دی۔

فیصل ایک جست لگا کر بستر سے اٹھا اور غسل خانے گھس گیا اور پھر دونوں نے تیار ہو کر ناشتہ کیا۔

فیصل منیجر سے ہوٹل کا حساب کرنے لگا۔ بیرا ٹیکسی لے آیا۔ پروین ایک اچٹتی سی نظر اس ہوٹل پر ڈالتی ہوئی ٹیکسی میں بیٹھ گئی۔ فیصل بھی پچھلی سیٹ پر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ ٹیکسی پہاڑی راستوں پر چکر کاٹنے لگی۔ فیصل اس سے باتیں کرتا رہا۔

تم اب واپس مری جاؤ گے فیصل۔

ہاں تمہیں سی آف کرکے واپس آؤں گا۔ کچھ دن رہ کر پھر چلا جاؤں گا۔ کام بہت سا ہے۔

نازی یہیں پر رہ گیا۔۔۔ پروین نے کہا۔

پتہ نہیں اس دن کے بعد نہیں دیکھا اسے۔

پنڈی پہنچ کر فیصل نے ایک سیٹ کراچی کے لئے بک کروائی اور خود ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ جہاز نے شام چار بجے فلائی کرنا تھا۔

یہ عرصہ تقریباً پروین نے رونے ہی گزارا۔ اس کے آنسو امنڈے چلے آرہے تھے۔ چلتے وقت ایک فقرہ اس نے فیصل سے کہا جو اس کے دل میں گھر کر گیا۔

فیصل یاد رکھنا۔ اگر تم نے میرے ساتھ بے وفائی کی تو زہر کھا لوں گی۔

وہ اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی تو وہ واپس اتر آیا۔ کچھ دیر بعد سیڑھی اتر گئی۔ دروازہ بند ہو گیا اور جہاز چکر کاٹنے لگا۔ اور پھر اس کے دیکھتے دیکھتے خلاؤں میں گم ہو گیا۔

نہ جانے فیصل کا دل پہلی مرتبہ کیوں ایک لڑکی کے لئے دکھا اس وقت اس کا دل چاہا کہ وہ پروین کے ساتھ ہی چلا جاتا اور اسے اپنا ہی لیتا۔ مائیک کی آواز نے اس کے حواس اپنی طرف متوجہ کر لئے۔

لاہور سے آنے والا طیارہ پنڈی پہنچ گیا ہے۔ فیصل کھویا کھویا سا گیلری میں کھڑا رہا۔

جہاز اتر رہا تھا اور پھر وہ لمبا چکر کاٹ کر گیلری کے سامنے آکھڑا ہوا۔ تب اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جہاز سے نائلہ اتر رہی تھی۔ نائلہ کے ساتھ ایک اور دبلی پتلی سی لڑکی تھی۔

وہ نیچے اتر آیا۔ اور نائلہ تو اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔ اوہ فیصل تم۔

ہاں دیکھ لو۔ خواہ مخواہ ہی آگیا تھا یہاں۔

نائلہ نے اپنی ساتھ والی سانولی سلونی لڑکی کا تعارف کرایا۔

یہ میری خالہ زاد بہن رشیدہ ہے۔ رشیدہ نے ماتھے پر ہاتھ لیجا کر آداب کیا۔
فیصل خوش تھا کہ چلو وقت گزر جائے گا۔ دراصل اب اس کی یہ عادت
ہو گئی تھی۔ ۔ ۔ ۔
فیصل تم مجھے بتا کر کیوں نہیں آئے۔ نائلہ روٹھی ہوئی کہنے لگی۔
دراصل وہ فلم کے ڈائریکٹر کے ساتھ اچانک آنا پڑا۔ تم کیسے آئیں۔
مجھے پتہ چلا تھا کہ تم مری گئے ہو۔ ڈیڈی کراچی گئے ہیں۔ رشیدہ ہمارے ہاں
آئی ہوئی تھی بس اسے لے کر آ گئی۔ لیکن سچی تھی تم یہیں مل گئے۔
فیصل مسکرایا۔ اور دل میں پروین کے جانے پر شکر گزار ہوا۔ اگر آج ان دونوں
کا تصادم ہو جاتا تو کیا ہوتا۔ قدرت بھی اس کا ساتھ دیتی تھی۔
چلو پھر۔ آج ہی جانے کا ارادہ ہے کیا۔
اور کیا۔ پنڈی میں کیا ٹھہرنا۔
فیصل ان دونوں کو کینٹین میں لے آیا۔ چائے کے دوران باتیں ہوتی رہیں
اور پھر ٹیکسی پر بیٹھ کر سب مری کے لئے روانہ ہو گئے۔
راستہ بڑا پر لطف گزرا تھا۔
رشیدہ گو سانولی تھی لیکن اس کے نقش بہت ہی خوبصورت تھے وہ بچے
اس رنگ میں بھی ایک کشش اور ملاحت لئے ہوئے تھی۔ نائلہ جتنی شوخ چنچل
تھی رشیدہ اتنی ہی خاموش سی تھی۔ سارے راستے میں وہ دو ایک مرتبہ ہی بولی
ورنہ باہر مناظر میں گم رہی۔ نائلہ کی زبان البتہ قینچی کی طرح چلتی رہی۔
بس رشیدہ کچھ خاموش سی رہی۔ فیصل نے رشیدہ کے نقوش میں

کچھ کشش محسوس کی۔

یہ تو ادیبہ ہیں۔ کوئی پلاٹ ڈھونڈھ رہی ہوں گی نائلہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

اچھا تو آپ ادیبہ ہیں۔ فیصل نے اشتیاق سے پوچھا۔

یونہی بناتی ہیں باجی۔ رشیدہ نے بدستور باہر نظریں جمائے ہوئے جواب دیا۔

ہوں بناتی ہوں۔ ان کے مضامین شاید آپ کی نظروں سے گزرے ہوں گے رشیدہ قریشی۔ اوہاں سچ یاد آیا۔ ایک مرتبہ ایک فلمی رسالہ میں انہوں نے ساز و آواز کا ایک مقالہ لکھا تھا۔ اس میں آپ کی آواز کو توسراہا تھا۔

فیصل کو بھی جیسے کچھ یاد آگیا۔ ہاں ہاں پڑھا تھا میں نے۔

تب تو بڑی خوشی ہوئی مس رشیدہ آپ سے مل کر۔

رشیدہ صرف مسکرادی اور اس کے چہرے پر پھر دہی خشکی سی چھاگئی۔ رات گئے یہ لوگ مری پہنچے۔

فیصل اس ہوٹل میں نہ ٹھہرا۔ جہاں پہلے ٹھہرا تھا اسے خدشہ تھا کہ کہیں نائلہ کو معلوم نہ ہو جائے۔

وہ مال روڈ کے ایک پررونق ہوٹل میں ٹھہرے۔ فیصل نے اکیلا کمرہ لے لیا۔ نائلہ اور رشیدہ ایک کمرے میں ہو گئیں۔

رات ہو چکی تھی۔ سب کو بھوک لگی تھی۔ ہوٹل سے جو کچھ ملا وہ کھالیا اور اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ نائلہ خوش تھی۔ رشیدہ حیران۔ اور فیصل مطمئن تھا۔

آ کے چلی گئی خوشی یاد ہی دل میں رہ گئی
یاد بھی کیوں نہ چھین لی آتی ہے بار بار کیوں

فیصل ابھی نیند سے بھی نہیں اٹھا تھا کہ نائلہ اور رشیدہ نہا دھو کر فارغ ہو چکیں۔ رشیدہ میرا خیال ہے اب فیصل کو جگانا چاہیے۔ نائلہ چہرے پر لیف لگاتی ہوئی کہنے لگی۔
آپ کی مرضی باجی ۔۔! رشیدہ نے بے پرواہی سے جواب دیا۔
اچھا تو میں جگاتی ہوں۔ نائلہ کھٹ کھٹ کرتی ہوئی فیصل کے کمرے کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا۔
فیصل آنکھیں ملتا ہوا اٹھا۔۔۔۔ ارے اتنی صبح
نواب صاحب نو بج گئے ہیں۔ نائلہ ہنستے ہنستے صوفے پر گر پڑی۔
تو کیا ہوا ۔۔ تم تو یوں کہہ رہی ہو جیسے گیارہ بج گئے۔
اچھا تم بیٹھو میں ابھی آیا۔ وہ گاؤن پہنتا ہوا غسل خانے چلا گیا۔
ناشتہ فیصل کے کمرے میں آگیا۔
فیصل تیار ہو کر آ گیا تھا۔ ارے وہ ۔۔ تمہاری لیس۔

ہاں ابھی بلاتی ہوں۔ نائلہ رشیدہ کو بلا لائی ہلکے گلابی کپڑوں میں اس کا
سانولا رنگ بھی گلابی ہو گیا تھا۔ اور لمبی لمبی سرمگیں آنکھوں میں کاجل کے ڈورے
بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ وہ چپ چاپ آکر کرسی پر بیٹھ گئی۔
فیصل نے اس کی طبیعت پوچھی تو وہ مسکرانے لگی۔ کتنا سفاک تھا یہ
فیصل ـــ اچھے بھلے سنجیدہ لوگوں کے دل میں ہلچل مچا دیتا تھا۔
رشیدہ کتنی سنجیدہ لڑکی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ بے حس بھی خاندان کے
کئی لڑکوں نے اسے اپنانا چاہا لیکن اس کے چہرے پر تو ایک وحشت سی
چھائی رہتی۔ لیکن اس کمبخت فیصل کی نگاہیں نہ جانے اس کے بے حس دل میں
بھی کھب کر رہ گئیں تھیں۔ وہ جب بھی اس کی طرف دیکھتا وہ گھبرا جاتی۔
نائلہ کی زبان تو تھمتی ہی نہ تھی۔ ایک منٹ میں کئی باتیں کر ڈالتی تھی وہ اور
رشیدہ چپ چاپ ناشتہ کرتی رہی۔ فیصل نے دو ایک مرتبہ رشیدہ سے بات
بھی کی لیکن وہ معمولی ہوں ـــ ہاں کے سوا کچھ نہ کہہ سکی۔
اچھا تو اب پروگرام کیا ہے۔ فیصل نے چائے کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔
آج ہم جھیل پہ جائیں گے۔
تھک تو نہیں جاؤ گی ـــ ؟
جی نہیں بالکل تھکیں گے نہیں۔ نائلہ آنکھیں گھما کر کہنے لگی۔
نائلہ نے ایک نائلون کی ٹوکری میں چائے کا تھرموس اور کچھ پھل ڈال لئے۔
فیصل بھی ساتھ ہو لیا۔
باہر رونق شروع ہو گئی تھی۔ لوگ جوق در جوق ادھر جا رہے تھے۔ ایک

درخت کے پاس کھڑے ہوکر انہوں نے چاٹ کھائی۔ اور پھر اوپر دیکھنے لگے۔

بہت اونچائی ہے۔ دیکھ لو ـــــ دوپہر سے پہلے واپس نہیں آسکیں گے۔

تو پھر کیا ہوا ـــــ آپ تو یوں ڈر رہے ہیں جیسے۔ نائلہ نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

تمہاری مرضی مجھے کیا اعتراض ہے بھلا۔

فیصل دوڑ کر پہاڑی پر چڑھ گیا۔ رشیدہ اور نائلہ بھی آہستہ آہستہ آرہی تھیں۔

تم اب بھاگو ـــــ نائلہ کا سانس پھول گیا تھا۔

فیصل بھی ساتھ ہولیا۔ رشیدہ بڑے اطمینان سے اِدھر اُدھر دیکھتی آرہی تھی۔

آسمان پر سفید سفید بادل کہیں کہیں پھیلے ہوئے تھے۔ ہوا ٹھنڈی اور معطر تھی۔

فیصل کا دماغ اس وقت صرف روشی کے لئے سوچ رہا تھا۔

وہ ایک مرتبہ یہاں پہلے بھی آچکا تھا ـــــ روشی کے ساتھ۔

کتنا خوش تھا وہ ان دنوں جیسے دنیا کا کوئی غم بھی اسے نہیں تھا۔ زرد زرد چہرے والی دبلی پتلی روشی۔ ایک لمحے کے لئے اس کا دماغ چکرا گیا وہ پریشان سا ہوکر خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

فیصل ـــــ کیا ہوگیا تمہیں ـــــ نائلہ گھبرا گئی۔ رشیدہ بھی چونک کر بولی۔

آپ بیٹھ جائیں — شاید آپ کی طبیعت خراب ہے۔
فیصل کو جیسے ان لفظوں سے ہوش آ گیا۔
آں — ہاں . . . نہیں تو — میں بالکل ٹھیک ہوں۔
نہیں فیصل چلو واپس چلتے ہیں۔ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ چہرہ دیکھو کتنا زرد ہو گیا ہے۔ نائلہ نے کہا۔
یونہی چکر سا آ گیا تھا میں بالکل ٹھیک ہوں۔ فکر کی بالکل ضرورت نہیں چلو اور اوپر چلیں اب تھوڑا سا فاصلہ تو رہ گیا ہے اوپر سے پانی بہہ بہہ کر ان کے پیروں سے گزر رہا تھا۔
نائلہ کے منع کرنے کے باوجود فیصل اوپر چلا آیا۔ اب وہ ہشاش بشاش تھا۔ کیسا انسان تھا وہ — پل میں تولہ — پل میں ماشہ۔
رشیدہ کا ذہن کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ فیصل ایک بہت بڑا فن کار ہے اور فن کار کا فن تب ہی جاگتا ہے جب اسے کوئی دکھ پہنچے۔ یقیناً یہ قہقہے کھوکھلے ہیں ضرور اس کے سینے میں کوئی بڑا غم چھپا ہے۔ یہ شخص ہنستا ہے اس کی ہنسی ایک دکھاوا ہے۔ وہ یہی سوچتی اوپر آ رہی تھی۔ کتنا صحیح سوچتی تھی وہ
اوپر ایک بڑی حسین وادی تھی۔ کئی لوگ بیٹھے تھے۔ فیصل نے ایک تنہا سا کونہ تلاش کیا۔ وہیں بیٹھ کر یہ سب پھل کھانے لگے اور چائے پی
ارے یہاں تو ہوٹل بھی ہے وہ دیکھو۔ فیصل نے اشارہ کیا۔
ہاں شاید نیا کھلا ہے پچھلے سال تو نہیں تھا۔ نائلہ نے کہا۔
مجھے تو بھوک لگی ہے ———— فیصل ہنستے ہوئے

کہنے لگا۔

کھانا مل جائے گا وہاں ———— رشیدہ نے پہلی بار زبان ہلائی۔

شاید ———— اتنے میں ایک سفید کپڑوں والا بیرا ٹرے تھامے ان کے پاس سے گزرا۔

بیرا ـــــ فیصل نے آواز دی۔

فرمایئے ————

کھانا مل سکے گا۔

جی ہاں کیوں نہیں ———— بیرا مسکرایا

کیا ہوگا ———— ؟

مرغ مسلم ———— چکن تکہ۔ کباب۔ کوفتے وہ نہ جانے کیا کیا گنوانے لگا۔

ارے بھئی پھر تو یہ جگہ بڑے کام کی ہے۔ فیصل خوش ہوگیا۔

جی ہاں ـــــ لوگ دوپہر کا کھانا اکثر یہیں کھاتے ہیں۔ بیرے نے کہا۔

تو پھر کھانا یہیں لے آؤ۔ فیصل نے نائکہ سے پوچھکر آرڈر دیا۔

بیرا کھانا لینے چلا گیا۔

فیصل نے رشیدہ سے پوچھا۔ آپ پہلے بھی آئی ہیں یہاں۔

جی ہاں ایک مرتبہ۔ گھر والوں کے ساتھ۔

اچھا یہ جگہ خاص کر آپ جیسے لوگوں کے لئے بہت موزوں ہے۔

رشیدہ صرف مسکرادی۔

اب کچھ لکھ رہی ہیں آپ فیصل نے پوچھا۔

جی ہاں ـــــ ایک ناول لکھ رہی ہوں۔

کیا عنوان ہے اس کا ـــــ؟

گیت یہ میرے ـــــ رشیدہ نے مختصر جواب دیا۔

بہت اچھا نام ہے۔

بیرا کھانا لے آیا تھا۔ نائلہ کھانا کھانے لگی۔ فیصل اور رشیدہ بھی آ بیٹھے۔

کھانا بڑے مزے دار تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر فیصل نے سگریٹ سلگا لیا۔ اور نیچے ڈھلوانوں پر جھک کر دیکھنے لگا۔ جہاں اب بھی ہانپتے ہوئے لوگ اوپر چڑھ رہے تھے۔

نائلہ گھاس پر لیٹ گئی۔ رشیدہ وہیں بیٹھی رہی۔

فیصل پھر رشیدہ کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

تو کیا تھیم ہے آپ کے ناول کی۔ فیصل مسکرا کر کہنے لگا۔

جی .... وہ .... رشیدہ گھبرا گئی۔

کچھ تو بتائیے نا ـــــ؟

جی وہ ـــــ ایک ٹھکرائے ہوئے انسان کی کہانی ہے ـــ جس نے اپنے گیتوں سے دنیا میں ایک نئی روح پھونک دی۔ لیکن اس کے یہ گیت غم کے نوحے بن گئے۔ رشیدہ کی آنکھیں کچھ گہری ہو گئیں۔

تو اس کے وہ گیت نوحے کیسے بن گئے۔ فیصل بھی کہانی کی تھیم پر کچھ الجھ سا گیا۔

وہ ـــــــ اس نے اپنے گیتوں سے جہاں زندگی بخشی تھی وہاں اس کے گیتوں نے کئی زندگیاں سسکنے کے لئے بھی چھوڑ دیں۔

بعض اوقات مصنف کتنا صحیح لکھتے ہیں۔ فیصل جیسے کہیں دور سے بول رہا تھا

جی کیا کہا آپ نے ـــــــ رشیدہ بھی اپنے ناول میں کچھ کھو سی گئی تھی۔

آپ نے کتنا صحیح لکھا ہے ـــ بعض اوقات ایک ٹھوکر انسان کو وحشی بنا دیتی ہے اور پھر وہ سنبھلنے کے باوجود نہیں سنبھل سکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ زندگی کو ترک کر دے۔ اس کے سینے میں بھی ایک گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے۔

ـــــــ وہ دھڑکتا ہے لیکن وہ اس زندگی کو ترک نہیں کر سکتا۔ وہ گوشت کے اس ٹکڑے کو بہتر سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ مصنف کتنا قریب سے دیکھتے ہیں۔ زندگی کا کتنا صحیح مشاہدہ ہوتا ہے ان کا۔ فیصل رشیدہ پر نظریں جمائے بولے جا رہا تھا۔

اور رشیدہ بھی سمجھ رہی تھی کہ اس کے ناول کا پلاٹ فیصل سے ملتا جلتا ہے

کیا بور باتیں لے بیٹھے ہو تم دونوں۔ نائلہ قریب آ گئی۔

رشیدہ بارش آ رہی ہے شاید۔ نائلہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

چلو پھر واپس چلیں ـــ فیصل نے بل چکایا اور تینوں نیچے اترنے لگے

بادل گرجنے لگے تھے۔ اور دیکھتے دیکھتے سارا آسمان سفید ہو گیا تھا۔

جلدی کرو بارش آ رہی ہے نائلہ نے کہا۔ اے یہ لڑکیاں کون ہیں۔۔۔

اور اس بارش میں اوپر آ رہی ہیں ـــ

فیصل اور رشیدہ نے ایک ساتھ دیکھا۔ پانچ چھ لڑکیاں ہاتھوں میں لکڑیاں لئے ہانپتی ہوئی اوپر چڑھ رہی ہیں۔

نائلہ نے غور سے لڑکیوں کو دیکھا اور پھر تقریباً چیختے ہوئے بولی ارے یہ تو ذکیہ بلقیس وغیرہ ہیں۔

رشیدہ نے حیرت سے پوچھا ـــــ کون ذکیہ۔

ارے بھئی وہی جن کے ہاں ہم کوئٹہ بھی گئے تھے۔ میں نے تمھیں خط لکھا تھا نا ـــــــــ؟

اچھا اچھا وہ ـــــــــ رشیدہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی جواب ایک ایک بوند ٹپک رہا تھا۔

بس ابھی آتی۔ نائلہ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے لڑکیوں کی طرف جانے لگی۔ جواب بالکل اوپر آگئیں تھیں۔

فیصل اور رشیدہ اسی طرف دیکھنے لگے۔ نائلہ ایک ایک لڑکی کے گلے لگ رہی تھی۔

ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور بارش کے موٹے موٹے قطرے برسنے لگے۔ ایک بھاگ دوڑ مچ گئی۔ ہر شخص بھاگ رہا تھا پناہ لینے کے لئے۔

آن کی آن میں بارش نے طوفان کی شکل اختیار کر لی۔ نائلہ ان لڑکیوں کے ساتھ ہوٹل کی طرف بھاگی۔

فیصل اور رشیدہ ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے تھے۔

رشیدہ ـــــ فیصل نے پکارا۔

میں یہ ہوں مسٹر فیصل۔

اپنی جگہ مضبوطی سے کھڑی رہنا۔ نیچے بڑے بڑے کھڈ ہیں۔

بارش کا زور دوسری طرف ہوا تو فیصل نے رشیدہ کا ہاتھ تھام لیا۔ اب انہیں کبھی کبھی دھند میں ڈوبے ہوئے ہوٹل کے گنبد نظر آجاتے تھے۔

رشیدہ آؤ آہستہ آہستہ اس درخت کے نیچے جاکر کھڑے ہوجائیں وہ جگہ خطرناک نہیں۔

چلو ——— رشیدہ کے کپڑے اس کے جسم سے چپک گئے تھے۔ اور پانی ٹپک رہا تھا۔

بارش اب بھی تیز تھی لیکن طوفانی نہیں تھی۔ فیصل اور رشیدہ سنبھل سنبھل کر درخت کے نیچے آکھڑے ہوئے۔ اب وہ پہاڑی سے کچھ نیچے تھے۔ جہاں سے انھیں ہوٹل نظر نہیں آسکتا تھا بلکہ بالکل نیچے چھوٹے چھوٹے مکان اور شہر نظر آرہا تھا۔

بارش میں کچھ کمی ہوگئی تھی۔

رشیدہ۔ فیصل اب اسے بے تکلفی سے پکارنے لگ گیا تھا۔

مجھے ایک خطرہ ہے ———؟

کیا ——— رشیدہ کے چہرے پر کوئی ڈر کے آثار پیدا نہیں ہوئے۔

کہیں پانی نہ آجائے۔

آجائے تو کیا ہو ——— وہ بے پروائی سے کہنے لگی۔

ہم ڈوب جائیں گے اور لڑھکتے ہوئے ان کھائیوں میں جا گریں گے
فیصل نے کہا۔
تو پھر کیا ہوگا ___؟
ہم مر جائیں گے ___! فیصل بھی موڈ میں تھا۔
بڑی خوشی کی بات ہے پھر تو ___؟ وہ بے اختیار کہہ گئی۔
یعنی ___ فیصل حیرت اور خوشی سے کہنے لگا۔
یعنی ___ کچھ بھی نہیں ___ رشیدہ گھبرا گئی۔
اور فیصل اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتا ہوا کہنے لگا۔
اگر تم میرے ساتھ مرنے پر تیار ہو جاؤ ___ تو مجھے مرنے میں بھی خوشی ہوگی۔

رشیدہ گھبرا سی گئی ___ کیا ہوگیا تھا اسے ___ وہ جانتی تھی کہ نائلہ فیصل کو چاہتی ہے پھر بھی وہ ایسی باتیں کیوں کہہ رہی ہے۔ وہ چپ چاپ اپنا دوپٹہ نچوڑنے لگی۔ یکایک وہ چونک اٹھی۔
فیصل صاحب ___ وہ دیکھیے۔
فیصل نے ان کی انگلی کی سیدھ پر دیکھا تو حیران رہ گیا پانی زور شور سے بہہ کر آ رہا تھا اور اب تو وہ پہاڑی سے گرتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا۔
فیصل صاحب ___ اس درخت پر چڑھ جائیے ___ رشیدہ گھبرا سی گئی۔

نہیں صاحب ___ ہم تو آج مرنے کے موڈ میں ہیں۔ وہ مسکراتے

ہوئے کہنے لگا۔

فیصل صاحب خدا کے لئے ــــ جلدی کیجئے۔

اور آپ ــ؟

میری فکر نہ کیجئے۔

آؤ پھر تم بھی ــ وہ آپ سے تم پر آگیا۔

رشیدہ کچھ تذبذب کی حالت میں تھی جیسے ہی اس نے پانی کو بالکل قریب دیکھا وہ گھبرا گئی۔ اس نے فیصل کے پھیلے ہوئے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور اسی لمحے پانی ایک ریلے کے ساتھ انہیں دھکیلنے لگا۔ وہ دونوں درخت کے تنے کے ساتھ مضبوطی سے لگ گئے تھے۔ پانی کندھوں تک بھر گیا تھا۔ یہ جگہ کچھ گہری تھی۔ اس لئے یہاں پانی کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا۔ فیصل اور رشیدہ کو موت بہت ہی قریب نظر آ رہی تھی کیونکہ پانی انہیں نیچے کی طرف دھکیل رہا تھا۔

رشیدہ ــ فیصل نے اسے اپنی باہوں میں بھینچ لیا۔

فیصل ــ وہ بھی اس کے ساتھ لگ گئی۔

رشیدہ ــ مجھے خوشی ہے کہ ہم ایک ساتھ مر رہے ہیں۔

فیصل ــ میں بہت ہی بدقسمت ہوں ــ تم میری وجہ سے۔ اس کی آواز پانی کے شور میں تھرائی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

رشیدہ ڈیر ــ تم ــ ایک مرتبہ اپنی زبان سے کچھ کہہ دو کہ ہاں ــ ــ ہاں فیصل ــ میں تمہاری پرستش کرتی ہوں ــ تم میرے دیوتا

ہو — میں نے اپنے خوابوں میں تمہیں ہی بسا رکھا ہے۔ اب یہ آخری لمحہ میں ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ میں تم سے محبت کا اقرار کر لینا چاہتی ہوں — تاکہ میں سکون سے مر سکوں — میری تمنا گھٹ کر نہ مر جائے۔ وہ جذبات میں بہہ گئی۔

رشیدہ — میری زندگی — میری روح۔ فیصل نے اسے اور مضبوطی سے تھام لیا۔ اور اس کے ماتھے پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ عین اسی لمحے پانی کے ایک تیز ریلے نے ان کے قدم ڈانواں ڈول کر دیئے۔

رشیدہ فیصل سے چھوٹ گئی۔ اور فیصل کے قدم اکھڑ گئے۔ پانی اسے بہا کر لے گیا۔ نہ جانے کہاں ....

بس اک قدم اٹھا تھا غلط راہ شوق میں
منزل تمام عمر مجھے ڈھونڈتی رہی

نائلہ ہوٹل پہنچ کر بڑی پریشان ہوئی۔ بارش تھم گئی تھی، اور فضا نکھری ہوئی تھی، ہر چیز دھل کر صاف ہو گئی تھی، ابھی تک کہیں کہیں پانی بہہ رہا تھا، وہ گھبرا کر واپس باہر نکل آئی۔ رات ہو چکی تھی رشیدہ اور فیصل کا ابھی تک کچھ پتہ نہ تھا۔

ہوٹل کے منیجر نے اسے پریشان دیکھ کر پوچھا، تو اس نے بتایا کہ اس طرح وہ طوفان میں گھر گئے تھے۔

میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ منیجر ڈائل گھماتے ہوئے کہنے لگا۔ اس نے دو ایک جگہ فون کئے، ایک جگہ کسی نے اسے کہا کہ پہاڑی پر انہیں ایک لڑکی بے ہوش ملی ہے، اور اسے ہسپتال پہنچا دیا گیا ہے۔

نائلہ گھبرا گئی۔ جلدی سے وہ ہسپتال پہنچی۔

لڑکی رشیدہ ہی تھی جس کے سر پر چوٹ آئی تھی، اور وہ ابتک بیہوش تھی۔

نائلہ نے فیصل کا معلوم کیا۔ فیصل کا کہیں نشان نہ تھا۔ اس نے کئی آدمی
تلاش میں بھیجے۔ اور خود پریشان سی رشیدہ کے سرہانے بیٹھ گئی۔
رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ نائلہ ابھی تک بیٹھی تھی اس کا ذہن
فیصل میں الجھا ہوا تھا، اتنا بڑا فن کار۔ کیا واقعی وہ مر سکتا ہے۔ یا خدایا
فیصل مل جائے۔ وہ صحیح سلامت ہو —— وہ بے چاری دل ہی دل
میں دعائیں کرتی رہی۔
کافی دیر بعد رشیدہ کو ہوش آیا۔ وہ بڑبڑاتی رہی، فیصل.... میں
..... تم سے ...... میں تم سے .... تم میری ..... روح ہو۔
الفاظ گڈمڈ ادا ہو رہے تھے۔ ڈاکٹر نے آکر اسے ایک انجکشن دیا اور
وہ پھر سو گئی۔ البتہ نائلہ نے رات آنکھوں میں کاٹ دی۔
صبح اس نے جگہ جگہ فون کئے محکمہ جنگلات۔ آبپاشی، اور دوسری
کئی ایک جگہوں پر لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔
اب رشیدہ کو پوری طرح ہوش آچکا تھا۔ وہ نائلہ کو بتانے لگی تھی
کہ ان کے ساتھ کیا ہوا۔ فیصل کا ذکر کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگ
گئیں۔ رشیدہ نے اپنے اقرار کا قصہ نائلہ سے پوشیدہ رکھا۔
رشیدہ کی آنکھیں برستی رہیں۔
وہ سوچنے لگی — فیصل مر گیا — اور میں کیوں نہ مر گئی۔ میں کیوں بچ
گئی........ کس لئے .... سسکنے کے لئے..... سلگنے
کے لئے...... مجھے بھی مر جانا چاہئے تھا۔

فیصل سے بچھڑنے کا وقت یاد کر کے اس کا جگر کٹتا ہوا محسوس ہوتا، وہ دونوں اپنی اپنی جگہ رنجیدہ تھیں، دونوں تڑپ رہی تھیں۔ دونوں کا محبوب ایک ہی تھا،

فیصل نے اس دم کوئی بات کی تھی، رشیدہ، نائلہ نے بڑے درد سے پوچھا اور رشیدہ اس کو کیا بتاتی کہ اس وقت تو اس نے بہت بڑی بات کہی تھی، ایسی بات جس کو وہ کبھی نہیں بھول سکتی، وہ بات جو ساری زندگی اسے تڑپاتی رہے گی۔

بولو نا..... رشیدہ کیا کہا تھا فیصل نے۔ نائلہ تڑپ کر بولی۔

" مجھے کچھ بھی یاد نہیں آرہا باجی .... رشیدہ اپنے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

کاش تم بھی دونوں میرے ساتھ اوپر آجاتے۔

اتنا موقع ہی کہاں ملا.... فیصل چاہتے تھے کہ ہم درخت پر چڑھ جائیں، اس کا موقع بھی نہ ملا........ رشیدہ کے سامنے وہی منظر پھر رہا تھا۔ کیا ہو گیا ...... یہ کل صبح اخباروں میں حبیب اسکا کی موت کا اشتہار چھپے گا، لوگ حیران رہ جائیں گے۔ نائلہ بے چاری بیحد پریشان تھی۔

مجھے اسپتال سے کب چھٹی ملے گی باجی..... رشیدہ گھبرا کر کہنے لگی — !

کچھ دن لگیں گے — !

ٹھیک ہے۔ میں یہیں رہنا چاہتی ہوں، تم گھر اطلاع نہ دینا۔

تم کیا کہہ رہی ہو۔ نائلہ سمجھی شاید سر میں چوٹ کی وجہ سے رشیدہ بہک گئی ہے

وہ دونوں کھوئی ہوئی تھیں، دونوں کا ذہن ایک ہی نقطے پر تھا، وہ تھا فیصل۔

وصل کی شب نہ جانے کیوں اسرار تھا انکو جانے پر
وقت سے پہلے ڈوب گئے، تاروں نے بڑی دانائی کی

کٹ ..... کیمرہ مین کی آواز پہاڑیوں میں گونجی۔
اوہ ..... نازی گھبرا کر بیٹھ گئی۔
میرا خیال ہے یہ سین ٹھیک کر کے کچھ ریسٹ کر لیا جائے، پروڈیوسر
نے نازی کی گھبراہٹ دیکھ کر کہا۔
ارے کیمرہ مین اپنی آنکھیں کھولے پر جمائے ہوئے کہنے لگا۔
اور پھر اسی لمحہ نازی پھر ایکشن دینے لگی۔
سین ٹھیک ہو گیا۔ سب لنچ کھانے کے لئے جمع ہو گئے.....
نازی بھی ایک قالین پہ بیٹھ گئی۔
یہ کونسی جگہ ہے۔ مسٹر بابر..... اس نے پوچھا۔
ہم مری سے تقریباً ۳۰ میل دور ہیں، بابر نے جواب دیا۔
بڑی خوبصورت جگہ ہے، نازی دور نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔

ہاں ۔ اور بارش کے بعد تو فضا اور بھی کچھ نکھر گئی ہے۔ ڈائریکٹر مچھلی کا کانٹا دور کرتے ہوئے کہنے لگے۔

میں کچھ فوٹو لوں گی ۔۔۔۔ نازی اٹھتے ہوئے بولی ۔

ہاں، ہاں ضرور ۔

نازی کیمرہ ٹھیک کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ پیچھے پیچھے بابر صاحب بھی چل دیئے!

نازی تصویریں لیتی ہوئی آگے بڑھتی رہی۔ قریب ہی ایک نالہ بہہ رہا تھا۔

نازی بابر کو اس طرف آتا دیکھ کر وہیں بیٹھنے لگی۔ لیکن وہ جونہی بیٹھنے لگی۔ اس کی چیخ لاشعوری طور پر ابھری۔

بابر دوڑ کر اس کے پاس آیا۔ اس کے قدموں میں کوئی انسان اوندھا پڑا تھا جس کا آدھا دھڑ پانی میں تھا، اور کپڑے دھجی دھجی ہو رہے تھے۔

یہ کیا ۔۔۔! نازی کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں ۔

شاید کوئی قتل کر کے یہاں ڈال گیا ہے۔ بابر لاش کا منہ موڑتے ہوئے کہنے لگا۔

ارے ۔۔۔۔ نازی حیرت سے چلائی ۔ یہ تو فیصل ہے ۔

فیصل کا منہ نیلا پڑ چکا تھا، اور سر سے خون بہہ رہا تھا، کچھ منہ پر جما ہوا تھا

نازی اس کے پاس بیٹھ گئی ۔ بابر خدا کے لئے جلدی ان سب کو بلاؤ، یہ ابھی زندہ ہے۔ نازی نے چیخ کر کہا۔

بابر نے فیصل کو پانی سے نکال کر گھاس پر لٹایا۔ اور بھاگا ہوا اس طرف گیا، جہاں آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لئے ٹینٹ لگے ہوئے تھے ۔

نازی فیصل کے بال اس کے چہرے سے ہٹانے لگی اور اپنے پلو سے

اس کا چہرہ صاف کرنے لگی۔

باہر بہت سے لوگوں کو لے آیا فیصل کو اٹھا کر موٹر میں ڈالا گیا، ڈائریکٹر نے ڈرائیور سے کہا جلدی سے مسٹر فیصل کو ہسپتال پہنچا دو، نازی بھی سسک کر موٹر میں بیٹھ گئی۔ ڈائریکٹر بیچاری نازی کو جاتے دیکھ کر سراسیمہ ہو گئے۔

میڈیم آپ بھی جا رہی ہیں۔

ہاں۔ آج میں کام نہیں کروں گی، کل پر شوٹنگ ملتوی کر دیجئے۔

ڈائریکٹر ہکلا کر رہ گیا۔ لیکن موٹر اسٹارٹ ہو چکی تھی۔

نازی فیصل کو لے کر ہسپتال پہنچی۔

ڈاکٹروں نے جلد از جلد فیصل کو آپریشن تھیٹر میں پہنچا دیا۔

نازی بے قراری سے باہر ٹہل رہی تھی۔

ایک ڈاکٹر باہر نکلا، تو اس نے بے تابی سے پوچھا۔

کیا وہ بچ جائے گا۔

ڈاکٹر مسکرا کر بولا۔ جی ہاں پانی پیٹ سے نکال لیا ہے، جسم میں بہت جگہ پتھر چبھ گئے ہیں اور چوٹیں بھی آئی ہیں۔ ڈریسنگ ہو رہی ہے مطمئن رہیں، وہ خطرے سے باہر ہیں، نازی کے چہرے پر چمک آ گئی اور اسی لمحے اسٹریچر پر فیصل کو باہر لایا گیا، نازی بے ہوش فیصل کے ساتھ ساتھ کمرے کی طرف چل پڑی۔

میرا ہمدرد ہے سارا زمانہ
یہ سب تیری ہی توجہ کی نظر ہے

فیصل اب کافی صحت مند نظر آرہا تھا۔
دس دن ہسپتال رہنے سے اس کی طبیعت کچھ اچھی ہوگئی تھی، زخم بھی اب معمولی رہ گئے تھے ..... نازی شوٹنگ سے فارغ ہوکر ہسپتال آجاتی اور رات تک وہیں رہتی۔
نازی کی قربت نے فیصل پر اچھا اثر ڈالا تھا، اور وہ فیصل کے قریب ہوگئی تھی۔
نازی کا کام تو ختم ہوگیا تھا، وہ تو اب صرف فیصل کی وجہ سے ہی رکی ہوئی تھی اس کا سارا عملہ جاچکا تھا،
نازی — ایک حسین سی شام فیصل نے نازی سے فیصلہ کرنے کی ٹھان لی۔
ہوں — !

تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی۔

اور اگر یہی سوال میں تم سے پوچھوں۔ نازی ہنستی ہوئی کہنے لگی۔

تو میرا جواب یہ ہے کہ ۔۔۔ مجھے کسی نے پسند نہیں کیا۔

اور وہ تمہاری منگیتر۔۔۔ نازی نے پروین کی یاد دلادی۔

وہ ۔۔۔ وہ ۔۔۔۔ فیصل کی نگاہوں کے سامنے پروین کا معصوم چہرہ آگیا۔۔۔۔ وہ آگئی ۔۔۔۔

میں تمہیں اچھی طرح سمجھتی ہوں فیصل۔

سمجھدار جو ہو۔۔۔۔

اگر تم مجھے نہ ملتیں تو میں مرجاتا ۔۔۔۔۔۔ کتنا اچھا ہوتا فیصل اپنے ضمیر کی آواز نہ دبا سکا۔

کیوں نا امیدی کی باتیں کرتے ہو ــ

اچھا یہاں سے چھٹی کب ملے گی۔

کل واپس چلیں گے

لاہور ــ!

ہاں ــ!

فیصل خوش ہو گیا۔۔۔۔ پھر وہ سوچنے لگا۔۔۔۔۔۔ رشیدہ بیچاری نہ جانے کس کھنڈ میں گم کر ختم ہو گئی ہو گی۔

کیا سوچنے لگے فیصل۔۔۔۔ نازی نے پوچھا۔

کچھ نہیں ۔۔۔ یونہی۔۔۔۔ ہاں تو شوٹنگ مکمل ہو گئی فیصل

چونک سا گیا۔

آؤٹ ڈور تو مکمل ہی سمجھو..... نازی نے جواب دیا۔

کون سی فلم ہے یہ....؟

پتھر کے بالم......!

کیسے عجیب سے نام رکھتے ہیں یہ لوگ...... فیصل کو رشیدہ کے ناول کا نام "گیت یہ میرے" یاد آ گیا۔

ہاں تو یہ بتاؤ نا کہ تم نے شادی کیوں نہیں کر لی۔ فیصل نے پھر پوچھا،

بس یونہی..... جب تم کرو گے میں بھی کر لوں گی۔

میں تو نہیں کروں گا....... فیصل مسکراتے ہوئے بولا۔

تو میں بھی نہیں کروں گی...... نازی مسکرائی۔

یہ آج میرے ساتھ کیوں ضد بازی کی جا رہی ہے۔

بس.... میری مرضی......!

تو کیوں نا..... ہم دونوں کر لیں...... فیصل ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

ہم دونوں کیوں کر لیں..... تم کوئی مجھ سے محبت کرتے ہو۔ نازی آج صاف صاف اگلوانا چاہتی تھی۔

کیا پتہ کہ نے لگ گیا ہوں.... فیصل موڈ میں آ گیا۔

تمہیں خود پتہ نہیں۔ پھر یہ کیسے ہو جائے گا۔

تم واضح کر دو—

نازی گہری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ تم جیسے ہرجائی انسان کا کیا اعتبار

فیصل نے زور سے قہقہہ لگایا...... اچھا تو گویا تم بھی مجھے ہرجائی سمجھتی ہو....!

تم ہو ہی ہرجائی۔

کیا کروں.... مجھے کوئی سنبھالنے والا نہیں ملتا۔ کہتا ہوں کہ کوئی اپنی زلفوں کی زنجیر میں جکڑ لے..... ہے کوئی اللہ کا بندہ ایسا... فیصل نے فقیروں کی طرح ہانک لگائی۔

اور نازی کھکھلا کر ہنس دی۔

میں تو کہتی ہوں ایکٹر بن جاؤ...... قسم سے تم جیسا کامیاب ہیرو ایشیا میں کوئی نہ ہو گا۔

نہ بابا...... ہم جھوٹی محبت نہیں جتا سکتے۔

اوہو..... یہ جناب فرما رہے ہیں..... جو نہ جانے نازی کہتے کہتے رک گئی۔

اچھا چھوڑو اس ذکر کو.... یہ کہو تم نے اپنا نصب العین کیا رکھا ہے۔ بہا لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنا، یا کچھ اور بھی۔

فیصل کبھی کبھی سوچتی ہوں... کہ کاش میں ایک بیوی ہوتی..... چھوٹے بچوں میں گھری ہوتی،....... تو کیا مجھے سکون ہوتا.....!

نازی کی آنکھیں کچھ اداس ہو گئیں۔

پھر تو رتی بھر سکون تمہاری زندگی میں نہ ہوتا، سکون تو اب ہے،
فیصل سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے بناتے ہوئے بولا۔

تم اسے سکون کہتے ہو ۔۔۔۔ کتنی ہنگامہ پرور زندگی ہے
یہ ۔۔۔۔۔۔۔ ہاں مگر آرٹ کی خدمت ہے ۔۔۔ فن ہے۔۔
لیکن، ــــــ

ارے بھئی چھوڑو ــــ دنیا چار دن کی ہے۔ جینا ہے تو
ہنس کر جیو ــــ ایسے خیال کوئی دل میں نہ لاؤ۔۔۔۔۔۔ ہم تو اس
مقولے پر کاربند ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ارے رات ہو گئی چلو اندر چلیں ۔۔۔ نازی اٹھتے ہوئے
کہنے لگی۔

چلو ۔۔۔۔ جہاں لے چلو۔ فیصل نے ہنس کر اپنی باہیں
اس کے گلے میں ڈال دیں۔

تجھ کو دیکھا تجھ کو چاہا تجھے پوجا میں نے
اس سے بڑھ کر میری آہوں کی سزا کیا ہو گی

رشیدہ ہسپتال سے ڈسچارج ہو گئی تھی۔
اور نائلہ اسے لے کر واپس لاہور آ گئی تھی ... ۔ آتے ہی وہ فیصل کی کوٹھی پر گئی۔ لیکن وہاں اسے کچھ خبر نہ ملی۔ فیصل ابھی تک لوٹا نہ تھا، نائلہ سہمی ہوئی تھی، اس نے یہ خبر پوشیدہ رکھی اور خود پھر وہی شب و روز کے ہنگاموں میں گم ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن فیصل ذہن پہ بری طرح چھایا ہوا تھا۔
یہ تو اچھا ہوا کہ ان دنوں اس کا چچا زاد بھائی اسلم آ گیا تھا۔ اسلم یوں تو اپنے بھائی اکرام کے ہاں ٹھہرا تھا، لیکن نائلہ کے ہاں زیادہ رہتا تھا، اور نائلہ کی طبیعت بھی بہل گئی تھی ...... حالانکہ اس نے فیصل کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا فیصل اس کی پہلی محبت تھی لیکن فیصل کے دیئے زخم پہ اسلم مرہم رکھنے لگا تو واقعی اسے کچھ سکون محسوس ہونے لگا۔

اس کے برعکس رشیدہ بے چاری کی صحت گر رہی تھی۔ اس کا سانولا سا رنگ کالا پڑتا جا رہا تھا۔ اور بڑی بڑی آنکھیں کسی کے فراق میں کھلی رہتیں وہ ایک چلتی پھرتی لاش ہو کر رہ گئی۔ گھر سے کئی خط آ چکے تھے لیکن وہ ابھی تک ٹھہری ہوئی تھی۔ ایک مدہوم سی امید پر .... نہ جانے کس آس پر

اس دن وہ بہت رنجیدہ تھی، نائلہ اسلم کے ساتھ پکچر گئی ہوئی تھی اور گھر میں وہ اپنے پرانے خیال کی چچی کے پاس بیٹھی کسی خیال میں کھوئی ہوئی تھی، اچانک اسے خیال آیا....... کیوں نہ ایک مرتبہ وہ فیصل کے گھر جائے شاید کوئی خبر مل گئی ہو...... اور پھر وہ اسی میلی سی ساڑھی میں اٹھی اور باہر نکل آئی۔ اتفاق سے ٹھیک خالی ٹیکسی اسے مل گئی۔

گاف روڈ..... وہ ڈرائیور کو نائلہ سے سنا ہوا پتہ بتانے لگی ٹیکسی بڑی بڑی سڑکوں کا سینہ چیرتی ہوئی بھاگی جا رہی تھی۔...

گاف روڈ آ گیا بہن ..... ٹیکسی والا ایک سانولی اور میلی سی ساڑھی والی لڑکی کو بہن کہنے لگا تھا.....

بس یہیں روک دو..... اسے کوٹھی کا نمبر یاد نہ تھا، ٹیکسی والے کو پیسے دیکر وہ کوٹھیوں کے نمبر دیکھتی رہی، حتیٰ کہ پوری لائن کے دو چکر لگا چکی لیکن اسے کہیں بھی فیصل کا نام لکھا نظر نہ آیا۔

تھک کر وہ سڑک کے کنارے لگے ہوئے چھوٹے سے درخت کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

بابا.... اس نے پاس سے گذرتے ہوئے ایک بیرے کو مخاطب کیا!

کیا ہے بیٹی ــــ ؟

وہ .... فیصل کی کوٹھی کونسی ہے۔ وہ جھجکتے ہوئے بولی۔

کون فیصل ــــ ؟

وہ فیصل .... جو .... فلموں میں گانے بھی گاتا ہے۔

وہ ...... بوڑھے کے لبوں پر تلخی سی آ گئی۔

سیدھی چلی جاؤ .... بائیں ہاتھ زرد رنگ کی کوٹھی ہے۔

بوڑھا آگے بڑھ گیا۔

اور رشیدہ بوڑھے کے بتائے ہوئے پتے پر روانہ ہوئی، زرد رنگ کی کوٹھی کے گیٹ پر دا تھی .... فیصل لکھا تھا ...... وہ تو یہاں سے دو مرتبہ گزر چکی تھی۔ لیکن اس کی نظر اس بورڈ پر نہ پڑی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتی ادھر ادھر دیکھتی آگے بڑھی۔

اے لڑکی .... منہ اٹھائے کہاں جا رہی ہے۔ چوکیدار نے دور سے پکارا۔

وہ ہنس کر کھڑی ہو گئی۔ مجھے فیصل سے ملنا ہے۔

ابھی بوڑھا کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ شبراتی آ گیا۔

وہ تم سے اس وقت نہیں مل سکتا .... اب میں اسے کسی سے بھی نہ ملنے دوں گا .... کیا حالت ہو گئی ہے اس کی۔

بوڑھا بڑبڑاتا رہا اور رشیدہ کے ہاتھ کانپ رہے تھے خوشی میں اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔

تو کیا فیصل زندہ ہے .... یا خدا کے لئے مجھے اس سے ملنے دو!

نہیں۔ نہیں — تم اس سے نہیں مل سکتیں ...... جاؤ چلی جاؤ .... شبراتی اسے باہر دھکیل رہا تھا۔

شبراتی ..... برآمدے سے فیصل کی آواز گونجی جو شور سن کر باہر آ گیا تھا، اسی لمحہ رشیدہ دوڑ کر فیصل کے پیروں پر گر پڑی۔

فیصل .... تم زندہ ہو ...... آخر خدا کو مجھ پر رحم آ ہی گیا ....

فیصل رشیدہ کو اٹھا کر اندر لے آیا۔

یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے۔ رشیدہ فیصل اسے صوفے پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

تم حالت کی کہہ رہے ہو ...... میں سوچ رہی ہوں کہ اتنا عرصہ زندہ کیسے رہی میں ..... رشیدہ آنسو صاف کرتی ہوئی کہنے لگی۔

شبراتی ...... چائے لاؤ ..... فیصل نے آواز دیتے ہوئے کہا۔

میں تمہیں دیکھ کر حیران ہوں ...... میں سمجھا خدا نخواستہ اور میں سمجھی کہ خدا نخواستہ۔ تم۔

وہ دونوں ادھورے فقرے چھوڑ کر ہنسنے لگے خوب — خوب

بہت اچھی رہی۔

میں تو تقریباً پندرہ دن ہسپتال رہی۔ رشیدہ نے بتایا۔

اور میں تقریباً پچیس دن ہسپتال رہا تھا۔

کون سے ہسپتال۔ ؟

مری کے سول ہسپتال۔

ارے میں بھی تو وہیں تھی..... پھر دیکھا نہیں۔

خوب اتفاق ہوا..... ناول کی سناؤ..... فیصل سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔

وہ بھی بڑی پریشان ہوئی ہے بچاری۔ اب تو مزے میں ہے۔

اچھا..... مزے میں کیسے۔

اسلم بھائی آ گئے ہیں..... ان کے ساتھ دل بہل گیا ہے ان کا۔

فیصل نے زور سے قہقہہ لگایا۔

اچھا تو رشیدہ..... بھئی میں تمہیں دانشی کہوں گا۔

فیصل درمیان میں بول اٹھا۔

رشیدہ صرف مسکرا دی۔

ہاں تو تمہارا ناول مکمل ہو گیا.....؟ فیصل نے پوچھا!

میرا ناول..... وہ کہاں..... مجھے تو اس دن سے کچھ یاد نہیں۔

اچھا وہ کیا نام تھا بھلا اس کا.....؟

گیتؔ میرے !

بہت اچھا نام ہے۔ میرا جی چاہتا ہے میں بھی ایک ناول لکھو۔ فیصل مسکرا کر کہنے لگا۔

لکھئے .... رشیدہ آہستہ سے بولی ... اس کا نام کیا رکھیں گے۔

اس کا نام .... اس کا نام رکھوں گا۔ فیصل سوچتے ہوئے بولا۔

" تم نہ ہوتے میت ہمارے " فیصل نے کہا۔

بڑا اچھا نام ہے۔ لیکن لمبا بہت ہے۔ رشیدہ بولی۔

تو پھر بس " میت ہمارے " ہی ٹھیک ہے، کیوں۔ ہا ہا ....

فیصل ہنسنے لگا۔ چائے آگئی۔ اور شبراتی خونخوار نظروں سے دیکھتا ہوا باہر نکل آیا۔

چائے کے بعد رشیدہ جانے کے لئے اٹھی۔ فیصل نے اپنے ڈرائیور سے اسے پہنچانے کو کہا۔ اور آکر پردیس کے آئے ہوئے خط پڑھنے لگا۔

اس عرصہ میں پردیس کے کچھ خط آچکے تھے۔

آخری خط اس قدر دردناک تھا کہ ایک لمحے کے لئے فیصل کا دل دہل گیا، لکھا تھا۔

میرے فیصل

جگر کٹ رہا ہے۔ تڑپ رہی ہوں۔ کسی کل چین نہیں تم میرے خطوں کا جواب کیوں نہیں دیتے فیصل .... اب تو تم مری سے آچکے ہو ..... میں نے اخبار میں پڑھا

تھا کہ تم بیمار ہو گئے تھے۔ خدا کرے تم اچھے ہو گئے ہو
اور تمہاری بیماری مجھے آجائے فیصل تم نے کیا کیا ہے مجھے
اگر یہی حالت رہی تو ... میں ضرور پاگل ہو جاؤں گی
— تم نے کہا تھا کہ تم کراچی آؤ گے۔ میں بے تابی سے
انتظار کر رہی ہوں۔ آجاؤ .... جلد آؤ....
میری چھٹیاں بھی پوری ہونے والی ہیں، ورنہ میں خود
چلی آؤں گی بس بے حد پریشان ہوں، نہ جانے دن کہاں
ہوتا ہے اور رات کہاں ہوتی ہے مجھے اپنی خبر نہیں، ہاں
اتنا پتہ ہے کہ آنکھوں سے برسات ہوتی رہتی ہے۔

مزہ برسات کا چاہو میری آنکھوں میں آبیٹھو
وہ برسوں میں برستی ہے یہ برسوں تک برستی ہیں

تمہاری اپنی

پروین

خط پڑھ کر فیصل کی آنکھوں میں درد سا ٹیک آیا اور پھر اس کی
انگلیاں مڑنے لگیں۔

پروین .... میں مجبور ہو گیا ہوں ... میں مجبور ہوں میں نے
قسم کھا رکھی ہے۔ کاش میں تم سے نہ ملا ہوتا .... تم جیسی پیاری
ہستی کو بھی میں نے فریب دیا ... مجھے معاف کر دینا پروین ....
معاف کر دینا۔

فیصل تکیے پر سر رکھ کر سسک پڑا۔

اور پھر اتنا سخت اسے دورہ پڑا کہ شبراتی گھبرا کر ڈاکٹر کو فون کرنے لگا۔ ڈاکٹر آیا اور اپنی تدبیریں کر کے چلا گیا، لیکن فیصل پریشان کمرے میں گھومتا رہا۔

کافی دیر گزر گئی سارے نوکر پریشان تھے اس کا تھا ہی کون ان نوکروں کے سوا۔

اور شبراتی ستار اٹھا لایا۔ فیصل ستار بجاتا رہا۔ اور پھر اس کی انگلیاں ستار پر تیزی سے چلنے لگیں۔ کئی گھنٹے بیت گئے، لیکن وہ آنکھیں بند کئے بجاتا رہا۔ انگلیوں سے خون ٹپک کر قالین میں جذب ہوتا رہا۔ اور آخر وہ اپنے ستار پر ہی گر پڑا۔ شبراتی پلو سے آنسو پونچھتے ہوئے آیا اور آہستہ سے ستار اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ ۔ ۔ ۔ اور فیصل کی انگلیوں کے زخموں کو دیکھنے لگا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں بند تھیں اور بال بکھرے ہوئے تھے، سویا ہوا فیصل ایک معصوم بچہ لگ رہا تھا۔

میری روح کی حقیقت میرے آنسوؤں سے پوچھو
میرے قہقہوں کی دنیا میری ترجماں نہیں ہے

پھر وہی شب و روز فیصل کی زندگی کا جز بن کر رہ گئے۔
اس کی دو ایک فلمیں ریلیز ہو چکی تھیں۔ اور اس کے تقریباً
سارے ہی گانوں نے ملک میں دھوم مچادی تھی۔
ہر گلی، ہر موڑ پر فیصل کے گائے ہوئے گانے گونجنے لگے رشیدہ
دوسرے تیسرے دن آتی اور گھنٹوں بیٹھ کر چلی جاتی اب فیصل نے اپنی
زندگی کا رخ کچھ بدل لیا تھا اور یہ تبدیلی پمر دین کی وجہ سے رونما ہوئی تھی،
فیصل اب بھی لڑکیوں سے کھیلتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن وہ کھیل جو
اس نے ایک دم اندھا دھند کھیلنا شروع کیا تھا وہ ختم کر دیا ۔
بلکہ اب تو جذبات میں آگ لگا کر تماشہ دیکھتا تھا ، رشیدہ کا بھی حال تھا
نائلہ کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ فیصل زندہ ہے اور رشیدہ اپنا تمام
وقت اسی کے پاس گزارتی ہے ۔ وہ اب بھی فیصل سے ملتی لیکن پہلے والی بات اب نہ تھی

پروین کی چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں، اب وہ آنے والی تھی۔
نازی کے فاضل اوقات اب بھی فیصل کے ساتھ گزرتے اور اب
تو اس میں بہت اضافہ ہو چکا تھا، ایک نئی گانے والی لڑکی بھی فیصل پر
جان چھڑکنے لگی تھی، اور نازی کے علاوہ ایک اور نیا چہرہ بھی اسے دیکھ
کر چپک جایا کرتا تھا،
روشی کو اس نے دو ایک مرتبہ دیکھا۔ بیمار سی، پریشان سی۔ البتہ
بیگم فضل الٰہی کچھ دنوں سے غائب سی ہو گئی تھیں۔
اس دن تقریباً چار بجے وہ اپنے ڈرائنگ روم میں دوستوں
کے ساتھ چائے پر بیٹھا تھا، اس وقت اس کے پاس کئی آدمی بیٹھے تھے
موسیقار زیدی ڈائریکٹر جمال اور دوسرے فلمی لوگ۔
قہقہے گونج رہے تھے۔
رات فرمائش سنی آپ نے فیصل صاحب۔
نہیں یار . . . میں فرمائش وغیرہ نہیں سنتا۔
ارے بھئی کمال ہو گیا . . . پوری فرمائش میں چھ گانے
تو صرف تمہارے ہی تھے۔ زیدی اپنی دھن کی داد لینے کی خاطر کہنے لگا۔
بس جناب طوطی بول رہا ہے فیصل کا۔
میں تو اپنی نئی فلم کے گانے ابھی سے ریکارڈ کر رہا ہوں۔ ایک اور
پروڈیوسر بولے۔
جی ہاں . . . ضرور . . . فیصل نے جواب دیا۔ اور پھر کنٹریکٹ بھی

ہوتے رہے ۔ ہنسی مذاق بھی ہوتا رہا۔

نازی کی بڑی مارکیٹ ہے۔ ایک اور صاحب نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ ہاں یار جہاں کسی نے سنا کہ کاسٹ میں نازی شامل ہے تو بس باقی باتوں پر کوئی غور نہیں کرتا ۔

کل کا فلمی پرچہ دیکھا آپ نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک اور نے کہا۔
یہ اخبار والے تو فیصل اور نازی کے پیچھے پڑ گئے ہیں ۔

زیدی مسکرا کر کہنے لگا۔

فیصل مسکراتا ہوا سنتا رہا۔

کل تو بڑی ہی مضحکہ خیز نیوز تھی ، کہ ملک کے مشہور آرٹسٹ کی شادی عنقریب ہی فیصل سے ہو رہی ہے ۔ ہیروئن فیصل کے پیچھے پاگل ہے۔ فیصل نے قہقہہ لگا کر کہا اور آپ کا کیا خیال ہے زیدی صاحب ! "

میرا خیال بالکل برعکس ہے ، یہ غلط ہے ۔ ۔ ۔ تم اس سے شادی نہیں کرو گے ۔

فیصل ہنستا رہا اور اسی لمحہ بیگم فضل الہٰی آ گئیں ۔

زیدی سے وہ بھی اچھی طرح واقف تھی۔ زیدی سے باتیں کرتے ہوئے وہ بیٹھ گئی ۔ بڑی تجربہ کار تھی یہ بیگم فضل الہٰی بھی ۔

کافی دیر بعد لوگ اٹھ کر چلے گئے سوائے بیگم الہٰی کے ۔

تمہیں کہیں جانا ہے فیصل ۔ ۔ ۔ ؟

نہیں تو ۔ ۔ ۔ بیٹھئے آپ ۔ بڑی مدت بعد خیال آیا ہے ۔

وہ فضل الٰہی بیمار ہو گئے تھے انہیں لے کر باہر چلی گئی تھی۔

وہ بیچارے بیمار ہی رہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے آدمیوں کا

علاج تو صرف آرام ہے۔ فیصل نے کہا،

ہاں اسے مر جانا چاہیئے۔ خواہ مخواہ روگ لگ گیا زندگی کو بیگم

فضل الٰہی خود بیزار نظر آتی تھیں۔

اچھا آپ سنائیے اپنی فیصل سگریٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہنے لگا۔

ہماری کیا سنتے ہو۔ ہاں کہو تو روشی کی سنا دوں؟

مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ——— ؟

وہ اپنے خاوند سے طلاق لے رہی ہے۔ بیگم فضل الٰہی نے جیسے فیصل کے

دماغ پر ہتھوڑا مار دیا ہو ———

وہ کیوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ چونک کر بولا۔

تم سے شادی کرنے کے لئے ——— ؟

اور تم سمجھتی ہو کہ میں اس سے شادی کر لوں گا ——— فیصل نے

طنزیہ کہا۔

وہ تو کم از کم یہی سمجھتی ہے۔

غلطی پر ہے پھر تو ——— !

وہ تمہارے لئے اپنا بچہ بھی چھوڑ رہی ہے۔

تم اسے سمجھا دو کہ وہ ایسا نہ کرے !

وہ کیا سمجھتی ہے ۔ ۔ ۔ بیگم فضل الٰہی نے زور سے کہا۔

خطا کھائے گی میرا کیا ہے۔ اور پھر ایک دم جیسے فیصل کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ ہاں ..... وہ .... ٹھیک کر رہی ہے، اسے ایسے ہی کرنا چاہئے۔ بالکل ایسے ہی کرنا چاہئے تب ہی تو میرا کلیجہ ٹھنڈا ہو گا۔ تب ہی تو مجھے سکون میسر آسکے گا۔

بیگم فضل الہٰی فیصل کی اس حالت سے کچھ ڈر سی گئی۔

چلو آؤ کہیں۔ اس نے مشورہ دیا۔

چلو آؤ ..... بڑی ہی اچھی پکچر آئی ہے ریکس میں۔

چلو ... فیصل بھی اس وقت کچھ سکون چاہتا تھا۔

بیگم فضل الہٰی کے ساتھ وہ ریکس پہنچ گیا۔ پکچر میں دل لگانے کی کوشش کر رہا تھا، اس کے ساتھ والے بکس میں کچھ لڑکیوں کے قہقہے گونج رہے تھے ... اس نے دیکھا کہ اس میں نائلہ بھی ہے۔

نائلہ جھٹ اپنی سہیلیوں کو بتانے لگی کہ وہ فیصل ہے۔ بس پھر کیا تھا کہ کالج کی منچلی لڑکیوں نے اسے گھیر لیا۔ فیصل ہنس ہنس کر ان کے سوالوں کے جواب دیتا رہا۔ ان ہی لڑکیوں میں ایک اور لڑکی ایسی بھی تھی جو ان سب سے بے نیاز اپنی سیٹ پر بیٹھی رہی، فیصل کو کچھ تعجب ہوا ..... اور نائلہ اس کے تعجب کو بھانپ گئی۔ اور کہنے لگی۔ سعدیہ — ادھر آؤ فیصل صاحب سے ملو نا۔

سعدیہ نے آہستہ سے کہا۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ان سے ملنے کی۔ فیصل بھونچکا سا رہ گیا۔ کون ہے یہ اتنا غرور۔! یہ تو سدا کی آدم بیزار لڑکی ہے۔ چھوڑو اس کو۔ ایک اور لڑکی نے نائلہ سے کہا۔

اتنے میں پکچر شروع ہو گئی۔ بڑی مشکل سے لڑکیاں اپنی جگہوں پر واپس گئیں
لیکن فیصل کے دل میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔ کون ہے یہ ۔۔۔۔ کیا مجھے
جانتی ہے۔ کیوں اتنی بیزار ہے مجھ سے۔

انٹرول ہوا تو نائلہ پھر اپنی سہیلیوں سمیت آدھمکی ۔۔۔ لیکن
وہ لڑکی وہیں بیٹھی رہی۔ فیصل نے دیکھا کہ واقعی وہ اپنے حسن پر جتنا بھی غرور
کرے کم ہے۔ فیصل اسے نظریں بچا بچا کر دیکھتا رہا لیکن وہ بیٹھی سکرین کی طرف
گھورتی رہی۔

کیسی لڑکی ہے یہ ۔۔۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پکچر دوبارہ شروع
ہوئی، اور پکچر ختم ہونے پر کئی لڑکیوں نے اسے خوشامدی جملے کہے، لیکن وہ
چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اور لڑکیوں کو چھوڑ کر
تانگے پر بیٹھ گئی۔

بیگم فضل الٰہی فیصل کی حالت پر ہنس رہی تھیں۔
کیوں مسٹر ۔۔۔۔ کیا سب لڑکیاں ایک جیسی ہیں۔
ہاں ۔۔۔ خیال تو یہی ہے ۔۔۔۔ یہ بھی ایک ادا سمجھئے
فیصل نے گھبراہٹ میں کہا، لیکن وہ دل ہی دل میں فیصلہ کر رہا تھا کہ
کہ اس لڑکی کا غرور ضرور توڑے گا۔

اچھا فیصل میں تو چلی ۔۔۔۔۔ بیگم فضل الٰہی نے کہا
ارے میں چھوڑ آتا ہوں ۔۔ فیصل نے کہا۔
نہیں میں چلی جاؤں گی بیگم فضل الٰہی ٹیکسی کی طرف بڑھیں اور فیصل
اپنی کار کی طرف وہ بے مقصد کار کو سڑک پر دوڑاتا رہا۔

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
کون سے شہر میں ہوتا ہے کدھر ہوتا ہے

سعدیہ نے فیصل کی خود نمائی کو ٹھیس پہنچائی تھی، اور اسی دن سے وہ سعدیہ کے بارے میں سوچنے لگا تھا، رشیدہ دو تین مرتبہ آچکی تھی اور آج کل تو وہ اپنے ناول کو ختم کر رہی تھی۔ اب اس کا مسودہ ختم ہونے کو تھا۔ اسے اس لئے جلدی تھی کہ وہ اس کتاب کو اپنے محبوب کے نام منسوب کرنا چاہتی تھی۔

نائلہ کو اسلم نے بہت حد تک اپنے قریب کر لیا تھا، وہ بہت کم فیصل سے ملتی تھی، نازی تقریباً ہر روز فیصل سے ملا کرتی۔ اس کے علاوہ کئی نئی ملنے والیوں سے بھی فیصل ہنس بول لیا کرتا تھا۔

وہ اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھا سعدیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ باہر ٹیکسی آکر رکی۔ فیصل نے خیال نہ کیا کیونکہ اس کے ہاں تو بہت سے لوگ آتے رہتے تھے کچھ لمحے بیت گئے تو اس نے نظر

اٹھائی دروازہ پر پروین کھڑی اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی

اوہ پروین . . . فیصل اسے دیکھ کر حقیقت میں خوش ہوا، اور اس نے اپنی باہیں پھیلا دیں۔ پروین بے تابی سے اس کی باہوں میں سما گئی۔

میری پروین . . . . تم آگئیں . . . . . . وہ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر تا رہا اور پروین اس کے سینے سے چمٹی یوں رو رہی تھی جیسے ایک بچہ اپنی ماں سے بچھڑ گیا ہو، اور اب وہ مل کر رو رہا ہو،

کتنی دیر یونہی چپ چاپ گزر گئی۔ دونوں ایک دوسرے کی دھڑکنیں سنتے رہے صرف کبھی کبھی پروین کی ہچکیاں کمرے کی خاموشی کو توڑتی رہیں "

فیصل نے محسوس کیا۔ پروین اسے شدت سے چاہتی ہے۔ اور واقعی یہ لڑکی کچھ کر نہ لے۔

تم آئے کیوں نہیں فیصل ۔ بڑی دیر بعد وہ کپکپاتی ہوئی کہنے لگی۔

تم کیا جانو . . . مجھ پر کیا بیتی۔ . . . . . . آج میں تمہیں یہاں زندہ نہ ملتا فیصل اسے گزرے ہوئے حادثے کے متعلق سنانے لگا۔ اور پروین کانپ گئی۔ اسے یقین آگیا کہ فیصل واقعی بے قصور رہے، اس معاملے میں۔

اور تھوڑی دیر بعد پھر وہی باتیں۔ وہی ہنسی . . . . . . وہی قہقہے، وہی چیزیں اور وہی وقت لوٹ آیا۔

تم سناؤ پروین کراچی میں کیسی گزری۔ فیصل نے سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے پوچھا۔

پتہ نہیں ... پروین کے چہرے سے حقیقت ٹپکتی تھی۔

کیوں .... فیصل مسکرایا۔

مجھے نہیں پتہ تھا کہ رات کب ہوتی ہے .... دن کب نکلتا ہے۔ میرے گھر والے میری اس حالت سے پریشان تھے۔

اور اب ... فیصل نے پوچھا۔

یوں لگتا ہے، جیسے دن نکل آیا ہے۔

اور فیصل بے تحاشا ہنسنے لگا۔ کتنی بھولی ہے یہ پروین۔

فیصل ... اب کراچی کب چلو گے .... پروین آہستہ سے کہنے لگی۔

کراچی کیا کرنا ہے جا کر۔ فیصل حیرت سے کہنے لگا۔

بھول گئے کیا .... پروین نے درد سے کہا۔

کیا ... فیصل سچ مچ بھول گیا تھا .... اس کا کیا قصور کوئی ایک دو وعدے کئے ہوں تو اسے یاد بھی رہتے۔ اتنے سارے وعدے وہ کیسے یاد رکھ سکتا تھا۔

ڈیڈی سے ملنے کا وعدہ ... پروین نے یاد دلا دیا۔

اوہ ... ہاں چلیں گے کیوں نہیں ... تم اپنی تعلیم تو مکمل کر لو فیصل کو جیسے یاد آ گیا کہ ہاں یہ وعدہ تو وہ کر چکا ہے۔

تعلیم .... تم تو کہتے تھے مجھے تعلیم کی کوئی ضرورت نہیں۔ پروین کے دل پر تو ایک ایک بات نقش ہو کر رہ گئی تھی۔

کیا حرج ہے تعلیم حاصل کرنے میں، تم ایف اے کر لو، پھر ٹھیک ہے،
فیصل نے کہا۔

اور پروین اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

ہوسٹل کا میں ٹھہری ہو گیا... فیصل بات بدلنا چاہتا تھا۔

نہیں تو چچا کے ہاں ٹھہری ہوں۔ ان کی بڑی لڑکی کی تو شادی ہو رہی ہے
اس مہینے۔ وہ ہی جو پہلی مرتبہ میرے ساتھ سینما میں تھیں، جب آپ ملے تھے۔

اچھا... شادی کس سے ہو رہی ہے۔

یہیں پر ڈاکٹر ہیں کوئی بس ایک بہن اور ایک بھائی ہے بہن ہمارے
ہی کالج میں پڑھتی ہے۔ پروین گھریلو قصے لے بیٹھی۔

شبراتی نے آکر اطلاع دی کہ زیدی صاحب آئے ہیں۔

اوہ زیدی... اچھا... فیصل نے کہا۔

میں چلتی ہوں فیصل۔ پروین اٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

یہاں بیٹھو... رات چھوڑ آؤں گا تمہیں۔

تو پھر میں دوسرے کمرے میں بیٹھتی ہوں... پروین نے کہا۔

جیسے تمہاری مرضی... پروین دوسرے کمرے میں جا رہی
تھی اور زیدی کمرے میں آ رہا تھا، اس نے پروین کو دیکھ لیا تھا، وہ
مسکراتا ہوا فیصل کے پاس بیٹھ گیا۔

آؤ زیدی... فیصل زیدی کا بے تکلف دوست بھی تھا۔

جان گئے استاد... زیدی نے کہا۔

کیا جان گئے ــــــ ...؟

یہ کون تھی......؟

تمہاری بھابی....؟

ہیچ ..... قسم سے۔ اسے بھابی بنا دو۔ کیونکہ یہ اس لائق ہے۔ زیدی ایک جھلک میں ہی پروین سے متاثر نظر آتا تھا۔

تمہاری بھابی شاید کبھی نہ بن سکے کوئی فیصل کے لہجہ میں اداسی ٹیک آئی۔

وہ کیوں....فیصل اب شادی کر ہی ڈالو۔ وہ نازی تو پاگل ہے تمہارے لئے.... مگر اس سے نہ کرنا زیدی نے کہا۔

کیوں اسے تمہارے لئے چھوڑ دوں۔ فیصل ہنس رہا تھا۔

نہیں یار.... میں ایسا تو نہیں چاہتا۔ زیدی جھینپ سا گیا۔

ویسے زیدی تمہارے پیٹ میں درد ضرور ہو جاتا ہے.... اسے دیکھ کر۔

نہیں یار... زیدی نے جواب دیا۔

ارے ہاں بھئی یہ تو بتاؤ وہ بیگم فضل الٰہی سے دوستی کب لڑائی تم نے فیصل کو یاد آ گیا۔

بڑی چالاک عورت ہے۔ فضل الٰہی صاحب تو بس کاٹھ کا الو سمجھو۔ مجھے اس سے بھی ملایا.... بڑا چرب زبان آدمی ہے۔ جوانی میں وہ بھی بڑا حضرت تھا۔ یہ بیگم بھی اس کی یونہی دریافت

ہیں۔ اب تو فضل الٰہی کے نام سے نفرت کرتی ہے زرینہ۔

اچھا تو گویا کافی بن رہی ہے تم سے۔ فیصل نے کہا۔

ہاں ۔۔۔۔ وقت کٹ جاتا ہے۔ کبھی کبھی۔

کافی دیر تک فلمی موضوع پر زیدی باتیں کرتا رہا۔ اور پھر یہ کہہ رخصت ہو گیا کہ تمہاری وہ دوسرے کمرے میں بور ہو رہی ہو گی۔

زیدی کے جانے کے بعد فیصل اٹھ کر اسی کمرے میں چلا آیا۔ جہاں پروین تھی۔

بور تو نہیں ہو گئیں۔ فیصل نے پوچھا۔

نہیں ۔۔۔ یہ میگزین پڑھتی رہی ۔۔۔۔ بھلا اس کمرے میں وہ بور ہو سکتی تھی۔ جہاں کا چپہ چپہ فیصل کی موجودگی کا احساس دلاتا تھا،

پروین تم سچ سچ بہت اچھی ہو ۔۔۔۔ فیصل بے ساختہ کہہ گیا۔

یہ آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو فیصل ۔۔۔۔ پروین نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

یونہی خیال آ گیا تھا۔

اور پروین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فیصل یاد رکھنا جس دن میں نے تمہیں کسی اور لڑکی کے ساتھ دیکھ لیا، خودکشی کر لوں گی۔

ارے یہاں تک فیصلہ کر لیا تم نے۔ فیصل دل ہی دل میں مسکرایا۔ خودکشی کرنا بہت مشکل ہے کہنا آسان ہے۔ اور یہ لڑکیاں کسی کے لئے جان دیں ناممکن ہے۔ روئیں گی چلائیں گی۔ اور پھر کسی اور کی ہو جائیں گی،

کچھ دن اپنی محبت کا ماتم مزید کریں گی۔ اور ان کی حسین زندگی شروع ہو جائے گی۔

رات کا کھانا پروین نے اور اس نے اکٹھا کھایا۔ اور پھر وہ پروین کو چھوڑنے اس کے چچا کے ہاں گیا، اس کے چچا کی بڑی لڑکی برآمدے ہی میں کھڑی تھی، بڑی دیر لگائی پروین تم نے۔ ڈیڈی غصے ہو رہے تھے، پروین کے آتے ہی وہ بولی۔

باجی فیصل آئے ہیں۔

آیئے تشریف لائیے، پروین کی چچازاد بہن موٹر کے قریب آ کر کہنے لگی۔ اس وقت تو معاف کر دیجئے پھر کسی وقت۔ فیصل نے معذرت کرتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ اس وقت اس کا دماغ پھر سعدیہ کے لئے سوچ رہا تھا، معزور لڑکی۔ نائلہ سے مدد لینی چاہئے۔ لیکن وہ کہاں کچھ بتائے گی۔ وہ سوچتا ہوا نازی کے ہاں چلا گیا۔

خوب جی بھر کے ہو گئے بدنام
حق ادا کر دیا جوانی کا

دو ماہ گزر گئے۔ فیصل کی کوٹھی نقرئی قہقہوں سے گونجتی رہتی۔ کبھی رشید ہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کبھی پروین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کبھی نازی۔ کبھی بیگم فضل الٰہی۔ کبھی نائلہ اور کبھی نئی ایکٹرلیس۔ اور پلے بیک سنگر اور لطف اس بات کا تھا کہ وہ ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ پر پورا پورا رکھتا تھا۔ سب مطمئن تھیں۔ جس وقت پروین آتی اس وقت کوئی اور نہیں آسکتی تھی جس وقت رشیدہ ہوتی اس وقت کوئی دوسری نہیں۔

فیصل کے نوکر بھی سمجھدار تھے وہ دیکھ لیتے کہ صاحب اس وقت فارغ ہیں یا نہیں۔ اور اسی طرح کرتے ریوں بھی فیصل نے نوکروں کو سمجھا دیا تھا۔

ایک دوپہر وہ رشیدہ کو پہنچا کر آیا تھا کہ پروین آگئی۔ پروین بے حد پریشان تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ رو دی۔

[illegible] اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

فیصل .... خدا کے لئے کچھ کرو ...... ورنہ میں بدنام ہو جاؤں گی۔

کیا ہوا .... فیصل چونک کر بولا۔

میں ... میں کیسے بتاؤں۔ تم خود کیوں نہیں سمجھ جاتے۔

میں کچھ نہیں سمجھ رہا۔ فیصل انجان بن کر پوچھنے لگا۔

میں لیڈی ڈاکٹر کے ہاں سے آرہی ہوں۔

اوہ .... فیصل سمجھ گیا۔ وہ کچھ فکرمند سا ہو گیا۔

تو پھر ..... اس نے کہا۔

کیا کیا جائے ....؟

شادی ...... پروین نے جلدی سے کہا۔

شادی ...... نہیں شادی ابھی نہیں۔ میں تمہیں لیڈی ڈاکٹر کے ہاں لے چلتا ہوں۔ کچھ انتظام کرتے ہیں۔ فکر نہ کرو!"

پروین کے آنسو بہنے لگے۔ کیا کورا سا جواب دیا تھا اس نے، وہ روتی رہی۔ پھر چپ چاپ اٹھ کر چلی گئی۔

ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا کہ وہ پانچ ماہ بعد ماں بن جائے گی۔

پروین کو اپنے فیصل پر اعتماد تھا۔ وہ تو سمجھ رہی تھی کہ یہ خبر سن کر فیصل خوش ہو جائے گا۔ لیکن جو کچھ ہوا اس کے برعکس ہوا۔

گھر آکر وہ بڑی پریشان سی رہی۔ اس کی باجی کی شادی کو صرف تین دن رہ گئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو چھپاتی رہی۔

گھر میں لوگ خوب آ رہے تھے، اس کے اپنے ماں باپ بھی آ گئے تھے اور وہ گھبرا رہی تھی۔ کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ زیادہ تر اپنے کمرہ میں گھسی رہتی آج فیصل کے ہاں سے آ کر وہ اپنے پلنگ پر لیٹ گئی۔ ماں دو مرتبہ آ کر مل گئی اس کی باجی جمیلہ بھی آئی۔

پروین نے فیصل کو شادی کا کارڈ بھجوا دیا۔ جمیلہ پروین کی محبت سے واقف تھی۔

انہیں بھجوایا تو نہیں، آج شام کو پھر جاؤں گی لے کر۔۔۔ پروین نے دوبارہ جانے کے لئے بہانہ ڈھونڈ لیا۔

شام وہ پھر کارڈ لے کر فیصل کے ہاں گئی۔ فیصل کہیں جا رہا تھا، پروین کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

تم ——!

ہاں۔۔۔ یہ باجی کی شادی کا کارڈ لے کر آئی ہوں پرسوں ضرور آنا۔ تمہیں قسم ہے ضرور آنا۔

اچھا آؤں گا بابا۔۔۔۔!

نہیں تم نہیں آؤ گے۔

بھئی آؤں گا۔ کیوں نہیں آؤں گا۔ یہ بھی بھلا کوئی بات ہے۔

اچھا۔۔۔ اور ہاں اس کے لئے کیا تو چیا۔

فیصل نے پوچھا

وہ۔۔۔۔ بعد میں سہی، وہ دردسے بولی۔

او کے ..... تم بڑی پیاری لڑکی ہو۔

وہ خود ہی اسے چھوڑنے چلا آیا۔ کیونکہ آج وہ نئی لڑکی کے ہاں دعوت پر جا رہا تھا۔ اس لئے جلدی تھی۔

پروین اپنی کوٹھی پر آکر پھر بولی۔

فیصل شادی پر ضرور آنا۔

ہاں بھئی ضرور آؤں گا۔ کہہ جو دیا۔

اور موٹر اسٹارٹ ہو کر سامنے سڑک پر غائب ہو گئی۔

٭ ٭ ٭

تیرا غم، تیری محبت۔ تیرا درد تیری حسرت
تیری ہو اگر اجازت انہیں اپنے نام کر لوں

فیصل کا دل تو نہ چاہتا تھا کہ شادی پر جائے لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی چلا گیا۔

پروین اسی کا انتظار کر رہی تھی، وہ بڑے چمکیلے کپڑوں میں ملبوس تھی لیکن فیصل کو اب نہ جانے پروین اتنی حسین نظر نہ آتی تھی۔ پروین نے اسے اپنے چچا سے ملوایا۔ برات آ چکی تھی اس کے کئی ایک واقف کار نکل آئے۔ وہ ان کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا۔ کھانا اکٹھا ہی کھایا ایک ہی پارٹی تھی۔ دلہن بھی یہیں ایک صوفے پر بیٹھی تھی۔ یکا یک فیصل چونک اٹھا۔ دلہن کے پاس ہی سعدیہ بیٹھی تھی، وہ پاس بیٹھی پروین سے پوچھنے لگا۔ وہ لڑکی جو دلہن کے پاس بیٹھی ہے کیا تمہاری بہن ہے۔ شکل ملتی جلتی ہے۔ کیسا چالاک انسان تھا وہ بھی۔ ایسے طریقے سے پوچھا کہ پروین کو کچھ شک کرنے کی گنجائش ہی نہ رہی۔ وہ خلوص سے کہنے لگی۔

ارے نہیں . . . ۔ وہ تو سعدیہ ہے . . . باجی کی نند بھی تو ہے۔ ڈاکٹر کی بہن۔ . . ۔ اور فیصل اپنے کامیاب وار پر مسکرانے لگا۔

پروین اٹھی اور سعدیہ کے پاس چلی گئی ۔ اور ہنستی ہوئی گیٹ پر فیصل کے پاس لے آئی۔

دیکھو سعدیہ فیصل صاحب کہتے ہیں کہ میری شکل تم سے ملتی ہے۔

سعدیہ فیصل کو دیکھ کر کچھ گھبرا سی گئی۔ اور پھر جیسے اسے دیکھ کر چڑ گئی ہو۔

کوئی بھی نہیں ملتی۔ نہ جانے ان کو کیا مشابہت نظر آتی ہے۔ اس نے میل کو کہا۔ فیصل نے محسوس کیا کہ شاید سعدیہ کی عادت ہی ہے لیکن وہ ایک دوسری عورت سے ایسی شائستہ باتیں کر رہی تھی کہ فیصل کو اپنا خیال بدلنا پڑا۔

فیصل نے پھر سعدیہ کو مخاطب کیا۔

تو پھر آپ کے بھائی کی شادی ہے۔

جی ہاں . . . ۔ کیا آپ کو نہیں معلوم، تو پھر آپ نے کیسے ہیں۔ سعدیہ کے جواب نے فیصل پر گھڑوں پانی ڈال دیا۔

جی نہیں مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ کے بھائی ہیں۔ وہ فیصل نے اپنی جھنیپ مٹانی چاہی۔

چلئے اب تو معلوم ہو گیا۔ فرمائیے اب کیا حکم ہے۔

فیصل سچ مچ پریشان ہو گیا۔

کیسی لڑکی ہے یہ ...... وہ چپ چاپ اس خطرناک لڑکی کو دیکھنے لگا۔ اور سعدیہ بے پروائی سے دوسری طرف چلی گئی۔

بڑی بدتمیز ہے یہ ..... پروین برا سا منہ بناتی ہوئی کہنے لگی۔

مگر کیوں اتنی جلی کٹی سناتی ہے یہ۔ فیصل نے پوچھا۔

اس بے چاری کو مردوں سے نفرت ہے۔ پروین اسی لہجہ میں کہنے لگی۔

مگر کیوں ــ ؟

اس کے ساتھ ایک نے بے وفائی جو کی۔

ہوں ... فیصل چونکا۔

اس کا منگیتر تھا پہلے یہ دونوں ایک دوسرے کے دیوانے تھے اس نے انگلینڈ جا کر شادی کر لی۔ اور واپس آ کر اسے ٹھکرا دیا۔ پھر تب سے بڑی چڑچڑی سی ہو گئی ہے۔ مردوں سے تو خداواسطے کا بیر ہے۔ اسے جس نے کبھی بات کی اسے وہ جلی کٹی سناتی ہے کہ بس کیا بتاؤں۔

ہوں ... تب تو اس کا قصور نہیں ہے۔ فیصل نے کہا۔

کیوں۔ اس کا قصور کیوں نہیں ... یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ جرم ایک نے کیا اور سزا سب کو دی جائے میں تو لعنت بھیجتی ہوں ایسا جذبہ رکھنے والوں پر۔

دیکھو نا فیصل۔ اگر ایک لڑکی فرحی کو وتم سے بے وفائی کرتی ہے تو تم سب لڑکیوں سے اس کا بدلہ لوگے .... کیا سب لڑکیوں کو ایسا سمجھو گے۔ نہیں کبھی نہیں۔ سب ایک جیسی نہیں .... سب مرد

بھی ایک جیسے نہیں۔ ان میں بھی وفا کے دیوتا موجود ہیں، جو اپنی جان پر کھیل جاتے ہیں اور لڑکیاں بھی ایسی ہیں بلکہ مردوں سے زیادہ یہ جذبہ انکے دل میں ہے جو قربانی جذبہ زیادہ رکھتی ہیں وہ اپنی جان پر کھیل جاتی ہیں۔

پروین کہتی جا رہی تھی، اور فیصل کا سر جھکتا جا رہا تھا وہ سچ تو کہہ رہی تھی۔ وہ۔ اگر ایک بے وفا نکلی تو یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ سب ہی سے بدلہ لیا جائے پروین تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن ... ایک محبت بھرا دل جب ٹھکرا دیا جاتا ہے، ایک انسان کی سب سے عزیز چیز جب چھن جاتی ہے۔ تو وہ جذبات میں پاگل ہو جاتا ہے۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ اس جنس کو مٹا کر رکھ دے۔ تم معمولی سی مثال لو۔ یہ سعدیہ تمہارے سامنے ہے ... اس بے چاری کا نے بچپن سے اس کو چاہا۔ اس کو اپنا سب کچھ سمجھا۔ اور ایک ایسا وقت آیا جب کہ وہ اسے دغا دے گیا۔ اسے نفرت ہو گئی۔ اس ذات سے نفرت ہو گئی ... اس کی نفرت بجا ہے پروین۔ آخر وہ بھی ایک مرد ہے۔ اس کی زیادہ تر جبلتیں اپنی ذات سے ملتی ہیں، فیصل کہتا جا رہا تھا۔ پروین درمیان میں بول۔

تم بھی تو مرد ہو ...!

ہو سکتا ہے، میں بھی سعدیہ کے منگیتر کی طرح بے وفا رہا ہوں۔

یہ نہیں ہو سکتا ... پروین نے کہا۔

یہ تمہاری کمزوری ہے ... تمہاری ساری جنس کی کمزوری ہے کہ وہ بہت ہی کچا اعتماد رکھتی ہے، میں نے اندازہ لگایا ہے کہ پروین فطری طور

پہ ایک بات پر جلد اعتماد کر لیتی ہے، برعکس مرد کے، وہ بہت جلد ایک چیز کو مان جاتی ہے۔

چھوڑو یہ بحث نہیں کیا۔۔۔۔ خدا ہمارے فیصل کو سلامت رکھے مجھے اس پر اعتماد ہے۔ پروین ہنس کر کہنے لگی۔

فیصل نے جمیلہ کی شادی کا تحفہ دیا۔ سعدیہ قریب ہی بیٹھی تھی، اس نے ایک مرتبہ بھی فیصل کی طرف نہ دیکھا، لیکن فیصل کو اس سے ہمدردی ہوگئی۔ آخر ہوتی کیوں نا۔۔۔۔ وہ دونوں ایک ہی طرح کا جذبہ رکھتے تھے، دونوں ہی ٹھکرائے ہوئے تھے۔ اور دونوں وحشی بن گئے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ فیصل تو انتقام لے چکا تھا، اور لے رہا تھا، لیکن سعدیہ کی نفرت دل ہی دل میں پل رہی تھی۔ وہ ہر خوبصورت آدمی کو دیکھ کر جلی کٹی سنانے پر آپ ہی تیار ہو جاتی۔ لیکن ان سے بدلہ نہ لے سکتی تھی۔ اور وہ اگر بدلہ لیتی تو کیسے ۔۔۔ قدرت نے اسے عورت بنایا تھا، عورت جو ایک سفید چادر کی مانند ہے۔ جس پر ذرا سا داغ جلد ہی نمایاں ہو جاتا ہے۔ اور مرد کا کیا تھا وہ تو اس کے برعکس ایک سیاہ کپڑا تھا جو سب کچھ چھپا لیتا ہے۔ وہ بدلہ کیسے لیتی۔

فیصل کو اس پر رحم آنے لگا۔ وہ سعدیہ کو اور نظروں سے دیکھنے لگا۔ ایسی نظریں۔ جن میں نہ تو محبت تھی نہ ہی کوئی لالچ۔ بلکہ ایک ایسی دوستی جو دو ہم خیالوں میں ہوتی ہے۔ ۔۔ سعدیہ اس کی ہم خیال تھی۔ وہ بھی یہی کہتی تھی کہ اگر ایک نے جرم کیا ہے تو سب کو ہی

سزا دینی چاہئے۔ تاکہ آئندہ عبرت حاصل ہو۔ اور فیصل کا بھی یہی نظریہ تھا
اسے پرویز کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، سعدیہ کو دیکھتا
ہوا وہ اٹھ آیا۔

اس دن سے وہ کچھ خوش نظر آرہا تھا، اب اسے اس کا ضمیر بھی
اتنا پریشان نہیں کر رہا تھا۔ اس کے ہم خیال دنیا میں موجود ہیں.....
جب دل ٹوٹ جاتا ہے تو ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ ہاں .... بالکل
ایسا ہی ہونا چاہئے!

یہی سوچتے سوچتے وہ بستر پر آ گرا۔

آج اس کا کہیں جانے کا موڈ نہ تھا، نہ جانے کس وقت
اسے نیند آگئی۔

اے حاصلِ خلوص بتا کیا جواب دوں
دنیا یہ پوچھتی ہے کہ میں کیوں اداس ہوں

جمیلہ کے سسرال جانے کے بعد پروین کو پھر انہیں پریشانیوں نے گھیر لیا
اس کے گھر والے واپس کراچی لوٹ گئے تھے۔ وہ کالج جاتی تو کبھی پیریڈ اٹینڈ نہ
کرتی۔ یونہی لان میں بیٹھی رہتی۔ آخر فیصل کیوں دیر کر رہا ہے۔ کیا مجھے
دھوکا تو نہیں دیا فیصل نے لیکن کہاں فیصل کے متعلق کبھی ایسا خیال بھی اس کے
دل میں نہ آیا تھا، اور نہ ہی دلانا چاہتی تھی، ٹھیک ہے، فیصل ٹھیک
کہتا ہے۔ کہ اس کا انتظام کر لینا چاہئے۔ شادی ہو بھی جائے تو اتنی
جلد بچہ زندگی برباد کر دیتا ہے۔
وہ کالج سے سوچتی ہوئی سیدھی فیصل کے ہاں آئی۔ فیصل گھر پر
نہ تھا، وہ اس کے ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ اور پھر
فون اٹھا کر ریڈیو اسٹوڈیو فون کرنے لگی۔ فیصل اسٹوڈیو ہی میں تھا،
اور اس نے پروین سے کہا کہ وہ ابھی پہنچ رہا ہے۔ وہ میگزین دیکھنے لگی۔

کچھ ہی دیر بعد فیصل آ گیا۔

پروین ڈیر.... آج تم کو اس پریشانی سے نجات مل جائے گی۔ وہ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

سچ.....کیا کوئی انتظام ہو گیا........ پروین خوش ہو کر بولی۔

ہاں.....ایک لیڈی ڈاکٹر رضامند ہو گئی ہیں۔ اور آج کسی طرح تم گھر سے نجات حاصل کر لو۔

اچھا.... پروین سوچنے لگی۔

کیا سوچا تم نے.....فیصل نے پوچھا۔

بس چچی جان سے کہہ دوں گی۔ کہ آج ایک سہیلی کے ہاں رہوں گی!

ٹھیک ہے پھر تو—!

پروین اور فیصل نے کھانا کھایا...... اور اس کے بعد پروین نے فون پر چچی کو اطلاع دی۔

تو کس وقت جانا ہے.... پروین نے آہستہ سے کہا۔

چار بجے.... ارے تم گھبرا کیوں رہی ہو۔ معمولی سی بات ہے ...

تقریباً پونے چار بجے پروین فیصل کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر کے مطب آ گئی اور پھر بیچاری پروین محبت میں آ کر وہ سب کچھ کرنے کو تیار ہو گئی۔ جو کہ ایک لڑکی نہیں کر سکتی، ایک ماں نہیں کر سکتی۔!

چھ بجے کے قریب فیصل پروین کے پاس ملنے گیا تو اس کا چہرہ سفید پڑ چکا

ں ڈاکٹر بھی کچھ پریشان نظر آرہی تھی۔
حقیقت میں فیصل کا دل بے حد دکھا، وہ چاہنے لگا کہ پروین بچ جائے!
اس نے لیڈی ڈاکٹر سے بھی کہا۔ لیڈی ڈاکٹر اس پر جھک گئی، اور
کے انجکشن اسے دیئے تب پروین کے چہرے پر زندگی کے آثار
ہوئے اور فیصل کو اپنے قریب دیکھ کر وہ کھل گئی۔
تنا پریشان نظر آرہا ہے۔ اس نے اپنا نحیف ہاتھ اس کے ہاتھ
دیا۔
اب کیسی طبیعت ہے۔۔۔ پروین۔۔ فیصل نے پوچھا۔
پروین صرف مسکرا کر رہ گئی۔
میں بہت شرمندہ ہوں پروین۔۔۔ میری وجہ سے تمہیں فیصل
کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی پروین نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
وہ بیٹھا رہا۔
اچھا پروین میں صبح آؤں گا۔ پھر صبح تم اپنے گھر چلی جانا وہاں
کچھ دن آرام کرنا۔ اور پھر کالج اٹینڈ کرنا فیصل نصیحتیں جھاڑنے لگا۔
اچھا ۔۔۔ جناب اور حکم ۔۔۔۔ پروین مسکرائی۔
اور پھر فیصل ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔
گھر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ رشیدہ بیٹھی ہے۔
ارے تم کب آئیں۔۔۔۔ اسے دیکھ کر کہنے لگا۔
کب سے آئی ہوئی ہوں، اب جانیوالی تھی۔ رشیدہ کی آواز میں ٹھہراؤ تھا!

جانے کیوں والی تھی ۔ ۔ ۔ ؟

میں گھر جا رہی ہوں فیصل ۔ رشیدہ سنجیدگی سے کہنے لگی ۔

گھر ۔ ۔ ۔ ۔ فیصل کچھ حیران ہو کر بولا ۔

ہاں تم تو جانتے ہو ٹالتے ٹالتے اتنا عرصہ ہو گیا۔ اب کتنا مانوں،

لیکن جا کب رہی ہو ۔۔۔ ؟

آج سے چوتھے دن ۔۔ !

اچھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فیصل ریڈیو آن کرتا ہوا بولا

کوشش کروں گی کہ کسی بہانے سے یہیں آ جاؤں ۔

کیا بہانہ ۔۔۔ ؟

آئندہ تعلیم جاری رکھنے کا ۔

اوہ گڈ ۔ ۔ ۔ ۔ یہی کوشش کرنا ۔ اور ہاں وہ تمہارا ناول ۔۔۔ ؟

گینٹ یہ میرے ۔ !

ہاں ۔

وہ پبلشر کے پاس چلا گیا ۔

کب تک چھپ جائے گا ۔

جلدی چھپ جائے گا ۔

اینڈ کیا رکھا تم نے ۔ فیصل اشتیاق سے پوچھنے لگا ۔

ٹریجڈی .... رشیدہ نے بڑے سکون سے کہا۔

اور فیصل کے چہرے کی چمک ماند سی پڑ گئی۔ ہاں اس کا اینڈ ٹریجڈی

ہی ہونا چاہیئے۔ جیسے وہ کہیں دور سے بول رہا تھا۔

روشی .... وہ چیخ کر بولا۔

رشیدہ ڈر سی گئی۔ کیوں کیا ہے۔

کچھ نہیں .... کچھ نہیں ...... وہ کچھ گھبرا گیا۔ جیسے اس

کے حواس واپس لوٹ آئے۔ تو تم جا رہی ہو۔

خط لکھا کرو گے .... رشیدہ حسرت سے کہنے لگی۔

کوشش کروں گا۔

کراچی آؤ گے کبھی ....؟

کوشش کروں گا .... اس کا ایک ہی جواب تھا۔

مجھے یاد رکھو گے ....؟

کوشش کروں گا .... وہ لاشعوری طور پر کہہ بیٹھا

اور اگر میں یہ کہوں کہ مجھے بھول جاؤ گے۔ رشیدہ مسکرا کر بولی۔

تو میں یہی کہوں گا۔

کہ کوشش کروں گا۔ فیصل اسی موڈ میں بولا۔

اچھا فیصل میں چلی۔ پرسوں آؤں گی۔ تم چلو گے نا۔

ہاں کیوں نہیں .... رشیدہ چلی گئی۔

اور وہ تنہا رہ گیا ... آج اسے روشی پھر یاد آگئی۔

کتنی محبت کرتی تھی۔ وہ بھی۔۔۔ اور خود فیصل تو ان کا دیوانہ تھا

اوہ روشی۔۔۔ کاش تم اپنی ظالم ماں کا کہنا نہ مانتی۔۔۔۔ اور آج ہمارا ایک چھوٹا سا گھر ہوتا۔۔۔۔ ہمارے بچے ہوتے سکون ہوتا۔ اور میں۔۔۔ میں بھی ایک انسان ہوتا۔ اور وحشی نہ ہوتا۔

انسان ہوتا—!

انسان ہوتا—!

میں بھی ایک انسان ہوتا۔

٭ ٭ ٭

بدلا ہوا ہے آج میرے آنسوؤں کا رنگ
کیا دل کے زخم کا کوئی ٹانکا ادھڑ گیا

پروین اگلے روز گھر پہنچی تو نقاہت کے مارے اس سے چلا نہ جا رہا تھا، اس کی چچی حیران رہ گئی چہرے پر یوں لگتا تھا جیسے ہلدی بکھیر دی ہو۔
کیا ہوا بیٹی ..... وہ گھبرا کر بولیں۔
رات ہیضہ ہو گیا تھا چچی جان.... پروین نے بات بنائی۔
بیٹی تو گھر کیوں نہ آ گئی۔
بس ثمینہ نے آنے نہیں دیا... پروین چکرا کر گرنے والی تھی کہ اس نے ستون کا سہارا لیا۔
لیٹ جاؤ بیٹی۔ میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔ چچی بیچاری گھبرا گئی۔
نہیں نہیں، ڈاکٹر کو نہ بلوائیے میں ابھی ڈاکٹر کے ہاں سے تو آ رہی ہوں۔ وہ ٹیکسی والا دوا نہیں دے گیا کیا۔
یہ لیجئے بی بی جی.... نوکر پیچھے سے دوائیاں تھامے آ رہا تھا،

میں لیٹوں گی بجی جان۔۔۔ اور پروین بجی کا سہارا لیتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

دل میں مطمئن تھی، فیصل اسے گھر تک پہنچا کر گیا تھا، وہ پلنگ پر لیٹ کر پھر اپنے رنگین تصورات میں کھونے کی کوشش کرنے لگی۔

اسی دن اور معیت ہو گئی۔ جمیلہ اور سعدیہ آ گئیں۔

وہ بھی دیر تک پروین کے پاس بیٹھی رہیں۔

باجی تم تو بس ہمیں بھول گئی ہو، پروین ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

تم اپنی کہتی ہو۔۔۔ میں گھر میں رہتی ہوں۔

مجھے بھولی ہوئی ہیں۔ سعدیہ بولی۔

کیوں کیا اتنا ہی بھائی جان سے پیار ہو گیا ہے، پروین نے کہا،

بکتی ہو تم دونوں۔۔۔۔ جمیلہ بولی۔

ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ پروین آہستہ سے بولی۔

برا نہ ماننا پروین۔۔۔۔۔۔ یہ تمہارے فیصل مجھے ذرا اچھے نہیں لگتے۔ سعدیہ کا منہ نفرت سے سکڑ گیا۔

وہ کیوں۔۔۔۔۔ پروین نے حیرت سے پوچھا۔

کچھ عجیب سے ہیں۔۔۔۔ سعدیہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

وہ تو تمہارا فیور کر رہے تھے اس دن۔ پروین نے کہا۔

وہ کیوں۔۔۔۔ سعدیہ نفرت سے کہنے لگی۔

وہ کہہ رہے تھے کہ واقعی ایک کا بدلہ پوری جنس سے لینا چاہئے۔ تاکہ عبرت حاصل ہو۔
مجھے ان کی تعریف سے کوئی سروکار نہیں۔ بہرحال میں تم سے ابھی کہہ رہی ہوں کہ ردی ہے۔ وہ بھی ۔۔۔ اور میری بات ایک دن تمہیں یاد آئے گی۔

اور پروین دل ہی دل میں مسکرادی۔۔۔۔۔ ہوں تم کیا جانو فیصل کو وہ کتنا اچھا ہے۔ شام کو جمیلہ اور سعدیہ چلی گئیں۔

* * *

تم اسے دیوانگی کہہ لو یا نادانی کہو!
ٹوٹ کر پھر اسی پتھر کے گن گاتا ہے دل

دو دن تو کسی نہ کسی طرح پروین نے گزار ہی لیے لیکن تیسرے دن
وہ نہ رہ سکی۔ اور ٹیکسی منگوا کر فیصل سے ملنے چل دی۔
وہ دل ہی دل میں کہتی رہی ..... سعدیہ بکتی ہے ...... فیصل
صرف مجھے چاہتا ہے۔ وہ اور کسی کو نہیں چاہ سکتا ..... بالکل
نہیں چاہ سکتا ... وہ جھوٹ کہتی ہے فیصل ان مردوں میں سے نہیں
ٹیکسی فیصل کے بنگلے میں رکی وہ پیسے دے کر آہستہ آہستہ برآمدے کی
سیڑھیاں چڑھنے لگی۔
برآمدے میں ہی اسے شبراتی مل گیا ..... وہ اسے دیکھ
کر کچھ گھبرا سا گیا۔
سرکار گھر میں نہیں ہیں۔
کہاں گئے ہیں ... پروین دیوار کا سہارا لے کر کہنے لگی۔

بتا کر نہیں گئے........ شبراتی اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگا۔

کار تو کھڑی ہے ان کی.... پروین بولی۔

وہ.... وہ..... ٹیکسی پر گئے ہیں۔

عجیب بات ہے۔ کار ہوتے ہوئے ٹیکسی پر.... پروین کو حیرت ہوئی۔

کار خراب ہے۔ شبراتی نے بہانہ بنایا۔

اچھا پھر میں انتظار کرتی ہوں۔ پروین دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

اور شبراتی برہ بڑا کر رہ گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اندر جا کر فیصل کو مطلع کرے کہ گیٹ سے نازی کی کار آتی نظر آئی۔ اب تو وہ بری طرح گھبرایا اور بھاگا ہوا کار کے قریب آ گیا۔

صاحب آپ کا انتظار کر کے ابھی اسٹوڈیو گئے ہیں۔ اور آپ کو بھی فوراً آنے کا کہہ گئے ہیں۔ وہ گھبرا کر بولا۔

میرا انتظار.... ؟ اسے تو معلوم نہیں تھا کہ میں آ رہی ہوں نازی حیرت سے کہنے لگی۔

جی۔ شاید ان کو کچھ کہنا تھا آپ سے مجھے کہہ گئے ہیں کہ اگر آپ آئیں تو سیدھا اسٹوڈیو بھیج دوں۔

اچھا.... نازی حیران حیران سی دوسرے گیٹ سے موٹر اسٹارٹ کر کے نکل گئی۔

اب وہ پروین کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اندر بھاگا۔

لیکن اس لمحہ پروین فیصل کے ڈرائنگ روم تک پہنچ چکی تھی، اندر فیصل کی ہنسی کی آواز گونجی تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔

ایں... یہ تو فیصل ہے، مگر شبراتی تو کہہ رہا تھا کہ فیصل گھر پر نہیں۔ وہ اپنے دل میں ہزاروں وسواس لئے آگے بڑھی ابھی اس کا ہاتھ بھاری پردے سے ٹکرایا ہی تھا کہ اس نے کسی کی سسکیاں سنیں وہ چونک کر کھڑی ہو گئی۔ اور اندر دیکھ کر تو وہ سکتے میں آگئی۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے وہ منجمد ہو کر رہ گئی ہے، اور اس کے جسم میں چلتا ہوا خون ایک دم رک گیا ہو۔ دھڑکنیں تھم گئی ہوں۔ فیصل کے سینے سے چمٹی ہوئی ایک لڑکی رو رہی تھی۔ اور فیصل اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتا ہوا کہہ رہا تھا۔

رشیدہ ...... روتی کیوں ہو پگلی...... میں کراچی کبھی کبھی تم سے ملنے آیا کروں گا.... اور شاید وہاں آکر میں تمہیں ہمیشہ کے لئے اپنا ہی لوں۔

پروین چکرا گئی۔ اس کے بنائے ہوئے تمام محل ایک دم زمین پر آ گرے۔ ارمانوں کی دنیا میں زلزلہ سا آگیا تھا، اعتماد چکنا چور ہو گیا اور اس کے ساتھ ساتھ ایک معصوم دل بھی۔

وہ لڑکی فیصل سے چمٹی بری طرح رو رہی تھی۔

فیصل ... کہیں تم مجھے بھول نہ جانا۔

ارے پگلی .... بھلا .... تمہیں بھول

سکوں گا۔ کبھی نہیں۔ چلو اٹھو۔۔۔۔ ۔ٹرین کا وقت ہوا جا رہا ہے،
عین اسی لمحے شبراتی بھاگا ہوا آیا۔
اور شور سن کر فیصل کی نگاہیں دروازے کی طرف اٹھیں۔ جہاں
ایک درد یاس کا پیکر کھڑا تھا۔ پروین کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت
سے کھلی ہوئی تھیں۔ اور پھر جیسے ہی فیصل نے دیکھا وہ آنکھیں برسنے
لگیں۔ بے اختیار پانی گرنے لگا۔
فیصل اور رشیدہ حیرت میں کھڑے ہو گئے۔ کچھ لمحے یوں بیت گئے،
کسی نے کچھ نہ کہا۔۔۔۔۔۔ سب ہی چپ تھے۔ البتہ دو آنکھیں تھیں،
جو برس رہی تھیں۔۔۔۔۔ ۔اور پھر پروین کے لب کپکپائے اور وہ
تیزی سے باہر نکل گئی۔
کون تھی فیصل یہ۔۔۔۔۔ رشیدہ نے کھوئے کھوئے سے فیصل
سے سوال کیا۔
ہاں۔۔۔۔آں۔ کیا۔ فیصل نے جیسے کچھ سنا ہی نہ تھا۔
کون تھی یہ۔۔۔۔؟۔۔۔۔ رشیدہ نے اپنا سوال دہرایا۔
یہ۔۔۔۔۔ ایک پگلی تھی۔۔۔۔۔۔۔ فیصل جیسے بہت دور سے
بول رہا تھا۔
جب ہی گھور رہی تھی۔ کتنی امیدیں تھیں اس کی آنکھوں میں
کتنا درد تھا۔ اس کی نظروں میں نہ جانے بے چاری پر کیا افتاد پڑی
ہے۔ فیصل۔

فیصل برداشت نہ کر سکا۔

آؤ رشیدہ ..... تمہیں پہنچا آؤں۔ گھر جانا ہے کیا، وہ جلدی جلدی کہنے لگا۔

اسٹیشن جانا ہے۔ نائلہ وغیرہ وہیں پہنچ گئیں ہوں گی۔

اچھا ..... رشیدہ بھی اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اور فیصل پریشان سا کار ڈرائیو کرنے لگا۔

اسٹیشن پر رشیدہ نائلہ سب ہی تھیں۔ لیکن اس لاشعور میں دو برستی ہوئی آنکھیں موجود تھیں۔

اسٹیشن پر رشیدہ اداس سی فیصل کو دیکھ رہی تھی، لیکن فیصل کا دھیان اس وقت پروین پر اٹکا ہوا تھا، حالانکہ پہلے کبھی کسی بھی لڑکی کو چھوڑنے پر اسے دکھ نہ ہوا تھا۔ بلکہ وہ تو شکر ادا کیا کرتا کہ چلو چھٹی ہوئی۔ لیکن آج وہ پریشان تھا، گارڈ نے سبز جھنڈی لہرائی اور وسل کی آواز پورے اسٹیشن پر پھیل گئی۔ فیصل نے رشیدہ کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

خدا حافظ ..... رشیدہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اور ساتھ ہی گاڑی رینگنے لگی۔ نائلہ اور اس کے گھر والے بھی جاتی ہوئی گاڑی کو دیکھ کر ہاتھ ہلا رہے تھے۔ فیصل کا ہاتھ بھی اٹھا تھا۔ گاڑی نے پلیٹ فارم چھوڑ دیا۔ اور سبز سبز ڈبوں میں رشیدہ کی نیلی ساڑھی اب بھی لہراتی نظر آ رہی تھی۔

فیصل ابھی مڑنے والا تھا کہ اسٹیشن پہ ایک ہڑ سا مچ گیا۔ فیصل نے جلدی سے دیکھا۔ دور گاڑی بھی رک گئی تھی۔ اور لوگ اسی طرف بھاگ رہے تھے

وہاں کیا ہو گیا.... ناظم نے پوچھا۔

گاڑی بھی تو رک گئی ہے۔ کسی اور کی آواز آئی۔

چلو دیکھتے ہیں۔ اور فیصل بھی ان کے ساتھ ساتھ چل پڑا، لوگوں کا زبردست ہجوم اکٹھا ہو گیا تھا۔ پولیس۔ اسٹیشن عملہ اور مسافر بھی گاڑی سے اتر گئے تھے۔

رشیدہ فیصل کو دیکھ کر بولی۔ پتہ نہیں کیا ہوا ہے۔

میں دیکھتا ہوں۔ فیصل ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔

کیا ہوا ہے۔ بھائی صاحب، اس نے ایک آدمی سے پوچھا،

کوئی لڑکی ہے.... آدمی نے جواب دیا۔

لڑکی ... کیا مطلب ... کہاں لڑکی ہے۔ فیصل بالکل نہ سمجھ پایا۔

لائن پر لیٹی ہوئی تھی.....

ایک لڑکی نے خودکشی کر لی ہے۔

لڑکی اچھے گھرانے کی لگتی ہے۔

کچل گئی ہے بیچاری۔ نہ جانے کیا افتاد پڑی بیچاری پر۔ کئی آوازیں فیصل کے کانوں میں گرم گرم سلاخوں کی طرح لگ رہی تھیں، وہ آگے بڑھا، لڑکی پر چادر ڈالی جا رہی تھی، خون میں بھیگا ہوا سفید ساڑھی

کا ایک پلو باہر تھا۔ اور پیروں میں کالی چپل بھی فیصل پہچان گیا اور وہ ساڑھی تو خود اسی کی خریدی ہوئی تھی۔ کالی کالی بوٹیوں والی سفید ساڑھی۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

آہ پروین۔ اور اسی لمحے اس کے کانوں میں پروین کی آواز گونجی۔

فیصل یاد رکھنا۔ اگر میں نے تمہیں کسی دوسری لڑکی کے ساتھ محبت کرتے دیکھ لیا تو خودکشی کر لوں گی۔

پولیس نے لاش ایمبولنس میں ڈالی، اور گارڈ نے دوبارہ سبز جھنڈی لہرائی۔ وسل کی آواز گونجی اور ٹرین سرخ سرخ خون کے دھبوں پر سے گزر گئی۔ پروین کے خون پر سے رشیدہ گزر گئی۔

لاش ایمبولنس پر جا چکی تھی، لوگوں کا جم غفیر چھٹ گیا تھا، شام گہری ہوتی جا رہی تھی اور وہ اب بھی اسٹیشن کے اس شکستہ پل کے ساتھ ٹیک لگائے ان دھبوں کو گھور رہا تھا، سرخ دھبے، معصوم سی پروین کا خون ـــ!

فیصل کو یوں معلوم ہوا کہ جیسے وہ اس خون سے زمین پر لکھ گئی ہے ...... فیصل۔ سب ایک جیسی نہیں ہیں۔ عورت وفا کی پتلی بھی ہو سکتی ہے۔ اور پھر نہ جانے کب وہ پاگلوں کی طرح واپس لوٹ آیا

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

پروین کی لاش نے فیصل کی زندگی میں ایک ہلچل سی مچا دی تھی،
پروین کے گھر والوں کو بھی پتہ چل گیا تھا، اور اس کے جنازے میں اس نے
بھی شرکت کی تھی۔ اس کی قبر پر اپنے ہاتھ سے مٹی ڈالی تھی، اور ہر شام
اب وہ کلب یا ہوٹل جانے کی بجائے قبرستان بھی جانے لگا تھا، ہر
شام قبر پر ادھ کھلی کلیوں کے ہار بھی وہی ڈالا کرتا تھا۔
ہاں ایک خاص بات اور ہوئی تھی کہ اس مہینے میں اسے کئی دفعہ
دورہ پڑا تھا۔ شراب زیادہ پینے لگ گیا تھا، وہ اور اپنے آپ کو
دھوکہ دیتا رہا۔
آج ایک گانے کی ریکارڈنگ تھی اور وہ ابھی تک اسٹوڈیو نہ پہنچا تھا۔
کئی فون آچکے تھے لیکن وہ نہ جانے کہاں کھویا ہوا تھا، آخر تنگ
آکر زیدی خود ہی آگیا۔
یہ کیا تک ہے فیصل۔۔ وہ اسے گم سم دیکھ کر چلا گیا

اوہ زیدی . . . میں آج نہیں گا سکوں گا۔ مجھے ایسے لگتا ہے جیسے میرے گیت ۔ ۔ !

چلو بھی یار ۔ زیدی نے اس کا فقرہ پورا نہ ہونے دیا۔ اور وہ زبردستی فیصل کو اٹھا کر لے گیا۔

آج نہ جانے کیا ہوا، فیصل نے گانا گایا تو کئی آنکھیں چھلک آئیں ۔۔

اف کتنا درد ہے تمہاری آواز میں . . ایک آواز ابھری ۔

جونہی گانا ختم ہوا ۔ فیصل کی اپنی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں ۔

کیا پردیسی کے لئے، یا اپنی ناکام محبت کے لئے۔ یا پھر جذبۂ ہمدردی کے لئے ۔

نہیں۔ وہ غور کرنے لگا کہ میری آنکھیں کیوں بھیگی ہیں ۔

نہیں ـــــ کسی کے لئے نہیں ۔

میری اپنی ویران زندگی کے لئے ۔ میرے ان کھوکھلے قہقہوں کے لئے ۔ پھر کیا کروں آخر۔ میں جینا نہیں چاہتا۔ . . . .

لیکن فیصل کے دماغ میں کچھ بھی نہ آیا۔ کئی آوازیں اسے پریشان کرتی رہیں ۔ دماغ ماؤف ہو کر رہ گیا۔ اور وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا ۔

اسی لمحہ نازی آئی تو شاید وہ گر جاتا ۔

ہیلو فیصل . . . . نازی مسکرائی ۔

ہیلو۔ فیصل کا چہرہ پسینے سے بھرا ہوا تھا۔

کیوں فیصل طبیعت تو ٹھیک ہے نا، ۔۔۔۔ نازی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔

نہیں نازی طبیعت ٹھیک نہیں۔ چلو مجھے لے چلو۔

چلو فیصل ۔۔۔۔ نازی گھبرا گئی تھی۔

فیصل ماتھے سے پسینہ پونچھتے پونچھتے نازی کے ساتھ چل پڑا۔ کار نازی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اور فیصل نے اس کے کندھے سے سر لگا دیا۔ جیسے اسے سکون بھی یہیں مل سکتا تھا۔

فیصل۔۔۔ نازی گاڑی کی رفتار آہستہ کرتے ہوئے بولی۔

کیا ہے نازی —!

ایک بات پوچھوں —؟

پوچھو — وہ آنکھیں بند کئے اسی حالت میں بڑبڑایا۔

تم آج کل کچھ پریشان رہتے ہو —!

نہیں تو —

مجھ سے نہ چھپاؤ — آخر وجہ —

کچھ نہیں نازی۔ کچھ نہیں۔ ویسے میں بہت بدقسمت انسان ہوں —!

بے حد بدقسمت ۔۔۔۔ اس کی آواز بھرا آئی۔

تم اپنی قسمت بدل کیوں نہیں لیتے ۔۔ نازی کہنے لگی۔

مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔
محبت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ نازی طنزیہ مسکرائی۔
مجھ پر طنز نہ کرو نازی ۔ ۔ ۔ ۔ میں بہت دکھی ہوں، بہت ہی دکھی۔ فیصل سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے ایک لاوا سا ابل رہا ہے اس کے دل میں اور وہ پھٹنے والا ہے لیکن اسی لمحے اسے اپنا فیصلہ یاد آ گیا، اپنا عزم نظر آ گیا، اپنے کہے ہوئے الفاظ اس کا منہ چڑانے لگے ۔ اور وہ سنبھل گیا۔
تمہیں کیا ہو گیا ہے فیصل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نازی اس کی بدلتی ہوئی حالتوں کو دیکھ کر ڈر گئی ۔
کچھ نہیں ۔ ۔ ۔ کچھ بھی تو نہیں۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میں ایکٹنگ بھی کر سکتا ہوں یا نہیں۔ وہ پوری بات بھی نہ بتا سکا۔
اور نازی کھکھلا کر ہنس پڑی۔
کیوں تم ہنس کیوں رہی ہو ۔ ۔ ۔ ۔ فیصل گھبرا گیا۔
تم سمجھتے ہو ۔ ۔ ۔ ۔ میں بچہ ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ میں کچھ بھی نہیں جان سکتی ۔ مسٹر فیصل اطلاعاً عرض ہے کہ میں ایکٹرس ہوں ۔ ۔ ۔ اصلی اور نقلی روپ ہی میری زندگی ہیں۔ میں بھلا اصلی اور نقلی کا فرق نہیں جان سکتی ۔
فیصل صرف مسکرا کر رہ گیا۔
کار فیصل کی کوٹھی میں آ کر رکی ۔ فیصل شکریہ ادا کرتا ہوا

پیچھے اتر آیا۔

اپنے آپ کو سنبھال لو فیصل نازی نے کہتے ہوئے موٹر اسٹارٹ کردی۔ تم نہیں آؤ گی . . . فیصل بولا۔

نہیں اس وقت گھر جاؤں گی۔ تھک گئی ہوں۔ خدا حافظ۔ کار کوٹھی سے باہر نکل گئی۔ اور فیصل تھکے تھکے قدموں سے کمرے میں آگیا وہ چاہتا تھا کہ آرام سے سو جائے۔ لیکن وہ آوازیں پھر اسے پریشان کرنے لگیں۔

تم غلطی پر ہو۔

تم خونی ہو۔

تم قاتل ہو۔

یاد آئے گا جب تیری نظروں کا بدلنا۔
ہم گردشِ ایام سے بھی پیار کریں گے۔

شہر میں جشن موسیقی کے بڑے بڑے اشتہار ابھی سے لگنے لگے،
تھے۔ اور اس جشن میں ملک کے ہر کونے کے مشہور فن کار حصہ لے رہے
ہیں، فیصل کا نام بھی سرِ فہرست تھا،
اس دن پھر اس کا ڈرائینگ روم بھرا ہوا تھا،
زیدی، غلام علی اور دوسری اہم شخصیتیں بھی موجود تھیں، گفتگو
کا موضوع جشن کے متعلق تھا۔
بہت لوگ آرہے ہیں، دور دور سے ایک بزرگ قسم کے آدمی
بولے۔ ہاں صاحب
...... کیا بات ہے۔ ڈھاکہ سے نسرین ممتاز ......
کراچی سے دو ایک چوٹی کے فن کار اور اپنا لاہور تو فن کاروں سے بھرا پڑا
ہے انڈیا سے ہرمنس چند اور راوماویوی اور جانے کون کون ہیں۔

صاحب میں نے تو بس کچھ نام ہی دیکھے ہیں۔ ایک دوسرے صاحب چہکے، اپنے
فیصل کی کیا بات ہے، زیدی سگریٹ کا دھواں اڑاتے ہوئے بولے۔
کچھ تیاری کرو میاں، میں دیکھ رہا ہوں آج کل تم اپنے آپ میں نہیں ہو
غلام علی نے نصیحت جھاڑی۔

جی ہاں . . . . تیاری تو کرلی ہے۔ فیصل مسکرا کر کہنے لگا۔

کرلی۔ . . . زیدی آنکھیں پھاڑ کر کہنے لگا۔

ہاں . . . . . . سینئے، صرف دھن ہے، ابھی کوئی چیز منتخب نہیں
کی۔ فی الحال تو غالب کی اس غزل پر ہی دھن بنائی ہے۔

وہ غالب کی غزل کے پہلے مصرعے پر گنگنانے لگا۔

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

واہ۔ فیصل واہ دل خوش کر دیا۔ کئی آوازیں اکٹھی ابھریں۔

بس مار لیا میدان . . . . غلام علی چونک کر بولے۔

آداب عرض ہے۔ فیصل شکریہ ادا کرنے لگا۔

شبراتی چائے وہیں لے آیا۔

بھئی شبراتی چائے تم خود ہی بناؤ . . . . فیصل نے کہا۔

اچھا سرکار۔ شبراتی چائے بنا بنا کر دینے لگا۔ بڑی دیر تک
ہنسی مذاق ہوتا رہا۔ اور پھر جب رخصت ہونے لگے۔ تو سب ایک ہی وقت میں!
فیصل اکیلا رہ گیا، وہ کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔ باہر کچھ بارش کے آثار

معلوم ہو رہے تھے۔ آسمان سفید ہو گیا تھا۔

فیصل وہیں کھڑا کھڑا سگریٹ پی پی کر دھوئیں کے گولے بنا تا رہا اس نے باہر ہاتھ نکال کر دیکھا۔ بارش کے چند قطرے اس کے ہاتھ کو بھگو گئے۔

اور پھر بارش شروع ہو گئی۔ دیکھتے دیکھتے بارش تیز ہو گئی۔ اور آسمان پر گرج کے ساتھ ساتھ بجلی کی چمک نے ایک خوفناک ماحول پیدا کر دیا۔ فیصل کھڑکی بند کرنے کو تھا کہ بارش اور دھند میں اس نے دیکھا کہ ایک ٹیکسی آ کر پورچ میں رک گئی ہے۔ اور ٹیکسی سے ایک سفید ساڑھی میں لپٹی ہوئی لڑکی برآمدے کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

کون ہے یہ ... اتنی بارش میں۔ فیصل کو کچھ حیرت ہوئی۔ وہ مڑ کر صوفے پر بیٹھنے کو تھا کہ بھاری پردے کے پیچھے سے ایک چہرہ نمودار ہوا۔

تم ... روشی ... وہ حیرت سے تقریباً چیختے ہوئے بولا۔

ہاں ... روشی ... تمہاری روشی ... روشی آگے بڑھتے ہوئے بے تابی سے بولی۔

کیا لینے آئی ہو یہاں۔ فیصل کے لہجہ میں کرختگی آ گئی۔

فیصل۔ خدا کے لئے مجھے کچھ نہ کہنا۔ میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر تمہارے پاس آ گئی ہوں، اب مجھے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ اب ہمارے راستے میں کوئی حائل نہیں رہ سکتا .... وہ فیصل کے قدموں میں سر رکھ کر کہنے لگی۔

ہوں ..... تم نے سمجھا کیا ہے مجھے سڑک پر پڑا ہوا پتھر۔ جسے جب چاہا ٹھوکر مار کر ہٹا دیا۔ فیصل کے لہجہ میں طنز آ گیا۔

نہیں فیصل ... میں نے تمہیں جو سمجھا ہے وہ میں جانتی ہوں یا میرا خدا جانتا ہے۔ میں مجبور تھی۔ میں اس وقت مجبور تھی۔ اور دیکھ لو میں نے سب کچھ چھوڑ دیا۔ ماں۔ گھر بار ــــ خاوند ــــ اولاد وہ آنسوؤں کے درمیان بولتی جا رہی تھی۔

اور میں کیا کروں ... مجھے افسوس ہے روشی میں تمہارے لئے کچھ نہیں بھول سکتا۔ اور اس لیے تم بھی تو مجھے بھری مجلس میں ذلیل کر چکی ہو، میں کبھی نہیں بھول سکتا، جاؤ نکل جاؤ یہاں سے نکل جاؤ۔

فیصل .... اتنے بے رحم نہ بنو .... جرم معاف بھی تو کیا جا سکتا ہے روشی چیخی۔

معاف .... روشی اگر میں تمہیں معاف بھی کر دوں، تو میں اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا۔ تم نے مجھے انسان سے وحشی بنا دیا ہے، میں نے تمہارا بدلہ کتنی معصوم جوانیوں سے لیا ہے۔ ان سب کی قاتل تم ہو۔ ... روشی صرف تم ... فیصل کی آواز بہت بلند تھی۔

فیصل ... مجھے یوں نہ ٹھکراؤ۔ ان چند سالوں میں، میں تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں بھول پائی ..... تم میری دھڑکنوں میں بسے رہے۔ میری ہر سانس تمہارا نام لے کر آتی رہی۔ فیصل خدا کے لئے مجھے سنبھال لو ورنہ میں کہیں کی نہ رہوں گی۔

نہیں۔ نہیں ...... تم اب وہ نہیں بن سکتیں۔ روشی
جاؤ لوٹ جاؤ اپنی دنیا میں .... اور یہ معافی کے الفاظ
جو تم یہاں ضائع کر رہی ہو وہاں جا کر کہو تو ہو سکتا ہے کہ تمہیں
کچھ مل جائے۔ لیکن یہاں تمہیں کچھ نہ مل سکے گا۔ جاؤ چلی جاؤ۔
فیصل۔ روشی گڑگڑا کر بولی۔
میں کچھ نہیں سننا چاہتا......... یہ مجبوریاں جو تم مجھے اب
سنانے آئی ہو۔ میں کافی عرصہ سے سنتا آرہا ہوں۔
فیصل میں نے تمہارے لئے اپنا معصوم بچہ چھوڑ دیا۔
غلطی کی ..... فیصل اپنے مخصوص انداز میں جواب دیتا رہا۔
تم ..... اپنی اس روشی کو بھی بھول گئے جو تمہارے لئے
جان دیتی تھی۔ اور جس کے ساتھ تم تمام رات خاموش بیٹھے رہتے تھے،
جس پر تم بھی جان دیتے تھے۔ .... جس نے تمہارے
گیتوں کو زندگی بخشی۔
روشی کی آواز جذبات میں تھرائی ہوئی تھی، اور ان ہی الفاظ سے
فیصل کو وہ زمانہ زیاد آگیا۔ اس کے چہرے کی رگیں۔ ابھر آئیں اور
آنکھیں سرخ ہو گئیں لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ سنبھل کر روشی کی بات کا
جواب دینے لگا۔
ہاں مجھے وہ زمانہ بھی نہیں بھول سکتا۔ جب تمہاری شادی
ہو رہی تھی۔ تم سرخ کپڑوں میں دلہن بنی بیٹھی تھیں۔ اور باہر بارات

آئی ہوئی تھی، تو میں اپنی کوٹھری میں سر چھپائے رو رہا تھا، تب تمہارے ہی پیغام پر میں نے برات میں پہنچ کر ہنگامہ کھڑا کر دیا۔

روشی میری ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ روشی میری ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اسے تم نہیں لے جا سکتے ۔ اور تمہارے رشتہ دار مجھے مارنے کو دوڑے تھے۔ اور پھر بڑے بڑے معزز آدمیوں نے فیصلہ کیا کہ تم سے پوچھا جائے کہ تمہارا کیا فیصلہ ہے سبھی کو تم پر فخر تھا، میں مطمئن تھا کہ تم فیصلہ میرے حق میں دو گی۔

لیکن بھری مجلس میں تمہیں لایا گیا اور تم نے کیسا جواب دیا ۔ ۔ ۔ ۔ کہ میں اسے نہیں جانتی یہ مجھ پر الزام لگاتا ہے۔ اور پھر تمہارے سامنے لوگوں نے مجھے مارا پیٹا۔ میں بے ہوش ہو گیا، اور پھر میری لاش کو روندتے ہوئے۔ لوگ تمہاری ڈولی لے گئے ۔ اس پر بھی تمہاری ظالم ماں کو رحم نہ آیا۔ اس نے مجھے جیل ڈلوا دیا۔ دو سال تک میں وہاں رہا ۔ ۔ ۔ روشی میں وہ وقت کبھی نہیں بھول سکتا ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ ہی وقت ہر وقت میرے سامنے رہتا ہے۔ اسے میں بھولنا بھی نہیں چاہتا۔

بس کرو فیصل بس کرو ۔ ۔ ۔ ۔ اگر اس وقت میں کچھ کہہ دیتی تو ہم بدنام ہو جاتے ۔ میرا خاندان ۔ روشی کہنے لگی۔

تو پھر یہاں کیوں آئی ہو ــــ جاؤ اپنے خاندان میں، جاؤ اپنی عزت دار ماں کے پاس۔ اب تمہارے خاندان کو بٹہ نہ لگے گا اب! تمہاری عزت خراب نہ ہوگی اب۔ فیصل چیخ کر کہنے لگا۔

فیصل ۔۔۔۔ روشی کی آنکھیں برسنے لگیں۔

جاؤ روشی جاؤ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں بہت دکھی ہوں ــــ
تمہارے ہاتھوں مجبور ہو کر میں نے وہ کام کئے ہیں کہ جو کوئی انسان نہیں
کر سکتا۔ مجھے بگاڑنے والی تم ہو ۔۔۔ صرف تم۔ فیصل کی آنکھیں سرخ ہو گئیں
باہر بارش بھی زوروں پر تھی۔ کہیں پہ بجلی گری تھی، اور ایک زور کا دھماکہ ہوا،
روشی نے ایک مرتبہ پھر فیصل کے پاؤں پکڑنے چاہیے۔ لیکن فیصل نے
اسے پرے دھکیل دیا۔

اور روشی روتی ہوئی واپس ہو گئی۔ برآمدے میں پہنچ کر وہ رکی
فیصل کھڑکی کے شیشوں میں سے دیکھتا رہا۔

پھر ایک نظر ڈالتی ہوئی موسلا دھار بارش میں باہر کی طرف
چل پڑی۔ کچھ دیر تک فیصل اس دھواں دھار بارش میں اسے دیکھتا رہا
پھر وہ غائب ہو گئی تو وہ صوفے پہ آ گرا۔ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ اس
کے لبوں پر پھیل گئی۔ اس وقت اس کا دل چاہا کہ وہ کہیں جائے۔

شبراتی ۔۔۔۔۔ اس کی بھاری آواز گونجی۔

آیا سرکار ــ؟

ڈرائیور کو کہو گاڑی نکالے۔

اس بارش میں سرکار ــ؟

ہاں جاؤ ۔۔۔ شبراتی چلا گیا۔ گاڑی برآمدے کے سامنے آ کر
کھڑی ہو گئی۔ اور فیصل اس طوفانی بارش میں گھر سے نکل آیا۔

٭٭

ذرا سی دیر میں تم نے نگاہیں پھیر لیں ہم سے
وفا کا حشر اتنا مختصر دیکھا نہیں جاتا

بارش بہت تیز تھی، روشنی کی ساڑھی اس کے جسم سے چمٹ گئی تھی، لیکن وہ اندھا دھند بھاگی جا رہی تھی، حالانکہ کئی موڑ ایسے آئے جہاں وہ بارش سے پناہ لے سکتی تھی لیکن اسے تو اپنے آپ کی خبر نہ تھی۔ اسی لمحہ فیصل کی کار تیزی سے اس کے قریب سے گزر گئی۔ بھلا اس کار کو وہ نہ جانتی تھی۔

وہ بھاگی جا رہی تھی اور اسوقت اسکی آنکھوں کے سامنے وہی منظر تھا، جب فیصل نے گڑگڑا کر اس سے اپنی محبت کی بھیک مانگی تھی، اور مجبوری کی بنا پر وہ چپ ہو گئی تھی، ایک طرف ماں اور خاندان کی عزت تھی، دوسری طرف صرف فیصل تھا جو اس وقت ایک مفلس نوجوان تھا جسکا کوئی سہارا نہ تھا، وہ چلتے چلتے تھک گئی تو ایک کھمبے سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی، اور وہی وقت پھر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ جب اس کی شادی کو

صرف دو دن رہ گئے تو فیصل نے کہا تھا۔

روشنی خدا کے لئے کچھ تو سوچو، صرف دو دن رہ گئے ہیں چلو ہم بھاگ جائیں، تمہاری ماں ہمیں کبھی نہ ملنے دے گی۔

فیصل۔ صبر کرو شاید کوئی تدبیر نکل آئے۔

مٹی تدبیر نکلے گی۔ منگنی کے بعد سے تم بھی بکتی آ رہی ہو، تمہیں، مجھ سے محبت نہیں روشنی۔

محبت۔ تم نہیں جانتے فیصل میں تمہیں پیار کرتی ہوں، بے پناہ لیکن میں مجبور ہوں ... تم جاؤ خدا کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی دیگا

تو میں یہ سمجھوں کہ تم خود اس شادی پر رضامند ہو، تم یہی چاہتی ہو۔ تم بھلا ایک مفلس نوجوان کو ایک فوجی افسر پر کیسے ترجیح دے سکتی ہو۔ یہ کہو کہ تمہاری نظریں امارت پر اٹکی ہوئی ہیں۔

میں تمہیں کیا دے سکتا ہوں۔ میں غلطی پر تھا روشنی، میں تمہیں بچپن سے چاہا ہے۔ لیکن تم۔ تم بھی اپنی ماں کی طرح مطلبی ہو۔

اچھا فیصل تم نہیں جانتے تو جو تم سے ہو سکتا ہے کر لو.....

جاؤ۔ جو ہو سکتا ہے، کر لو۔ آخر مجبور ہو کر میں نے فیصلہ دے ہی دیا۔

اور پھر جب بارات آئی بیٹھی تھی، جب وہ دلہن بن گئی تھی، جب وہ نکاح پڑھایا جانے لگا تو فیصل کہیں سے پریشان حال آکر چیخ اٹھا۔

روشنی میری ہے... روشنی میری ہے........ اسے کوئی نہیں لے جا سکتا۔ تب لوگوں نے فیصل کو کتنا مارا تھا، اس کے سر

سے خون کا ایک فوارہ چھوٹ گیا تھا۔ لیکن وہ ایک ہی بات کہہ رہا تھا، روشی میری ہے . . . . روشی میری ہے۔

تب دو چار معزز آدمیوں نے فیصلہ کیا کہ اگر واقعی روشی بھی اس لڑکے کو چاہتی ہے تو یہ شادی روک دینی چاہیئے۔

اس وقت فیصل کو کیا پتہ کہ میرے ساتھ کیا بنی، اندر میری ماں نے اپنا سر پھوڑ لیا، اور وہ اپنے آپ کو مارنے پر تیار ہو گئی تھی، اس کے ان الفاظوں نے مجھے تباہ کر دیا۔ اف ماں تمہارے وہ الفاظ، کاش میں نہ مانتی۔ کاش۔ نہ مانتی۔

روشی بیٹی .... اگر اس وقت تم نے بھری مجلس میں فیصل سے کہہ دیا تو میری بے عزتی ہو جائے گی۔

نہیں ماں، میں اب فیصل کو اور دکھ نہ دوں گی۔ میں سب کے سامنے یہ کہوں گی فیصل میرا ہے۔ ہاں وہ سچ کہہ رہا ہے، میں اس کی روشی اس کی ہے۔

اگر تم نے ایسا کہا تو یہ پستول دیکھ رہی ہو، اس میں چھ گولیاں تو تمہارے فیصل پہ آزماؤں گی اور باقی خود، پھر تم دنیا میں اکیلی رہ جاؤں گی۔ یہ دنیا تمہیں قاتل کہے گی۔ . . . . . تمہارے منہ پر تھوکے گی، اور تمہارے چاہنے والا بھی اس دنیا میں نہ رہے گا۔ ماں کی آواز نے اس کے دل میں آگ لگا دی تھی۔

تم کتنی ظالم ہو ماں . . . ایسا نہ کہو۔ ایسا نہ کرو، میں کتنا تڑپی تھی اس لمحے۔

جلدی کرو . . . وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔ فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے۔
چلو، جلدی بتاؤ ۔

مجھے کیا کرنا ہے مجھے ایسے معلوم ہوا تھا اس لمحہ کہ جیسے میں کسی کھڈ میں گر گئی ہوں ۔

تم فیصل کو سب کے سامنے ذلیل کرو ، اسے صاف جواب دو اور کہو کہ یہ مجھ پر الزام لگاتا ہے ۔

پھر تم خوش ہو جاؤ گی ۔ ان دردبھرے جملوں نے بھی اس پر اثر نہیں کیا ۔
فضول باتیں نہ بناؤ اور جلدی چلو ۔

اور جب وہ چادر میں لپٹی ہوئی مردانے کے ساتھ والے کمرے میں پہنچی تو اسے دروازے سے زخمی فیصل نظر آرہا تھا کتنی امید تھی اس کی آنکھوں میں . . . وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ہاں پوچھ لیجئے روشی سے وہ میری ہے کہ نہیں ۔ روشی جلدی کہہ دو خدا کے لئے جلد بولو ۔

اسی لمحے اس کے لب کچھ کہنے کے لئے کپکپائے تو اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں اسے گھور رہی تھیں ، اس کا ہاتھ اپنی چادر میں چھپے ہوئے پستول کی طرف تھا ،

تب وہ یوں بولی ۔ جیسے پھٹ پڑی ہو ۔
یہ ذلیل ہے ۔ . . . یہ کمینہ ہے ۔ . . . . یہ آوارہ ہے ۔
یہ مجھ پر بہتان لگا رہا ہے ۔ میں اسے جانتی بھی نہیں ۔ یہ کون ہے اور

فیصل ہکا بکا رہ گیا تھا۔

بس بیٹی تم جا سکتی ہو۔ لیکن اسے کیا معلوم کہ روشی بے ہوش ہو گئی تھی اور فیصل کو لوگ تھانے لے گئے۔ اور پھر فیصل کو آوارہ اور عزت پر حملہ کرنے کی تین سال سزا ہو گئی۔ فیصل کی گواہی تمام برات نے دی۔ اس کا کوئی نہ تھا بس وہ پھٹی پھٹی سی نظروں سے دیکھتا رہا۔

فیصل میں جانتی ہوں تمہاری یہ بیزاری بجا ہے۔ بارش اب بھی زوروں پر تھی۔ سڑکوں پر کافی پانی کھڑا ہو گیا تھا۔ روشنی نے آس پاس دیکھا اور وہ وقت اس کی نگاہوں سے یوں گزر گیا، جیسے وہ کوئی فلم دیکھ رہی تھی، اور فلم ختم ہو گئی ہے۔

فیصل۔ کاش تم صحیح حالات جان سکتے۔ تم مجھے بے وفا سمجھتے ہو اگر میں بے وفا ہوتی تو آج گھر چھوڑ کر کیوں آتی، میں نے شوہر چھوڑ دیا اور تم بھی مجھ سے چھوٹ گئے۔ وہ پھر سڑک پر چلنے لگی تھی۔ چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیل گیا تھا، وہ بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

فیصل۔ کاش تم جانتے کہ میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں ان پانچ سالوں میں کوئی دن ایسا نہ گزرا ہو گا۔ جب میں نے تمہاری یاد میں آنسو نہ بہائے ہوں گے۔ جب میری سانسوں نے تمہارا نام نہ لیا ہو۔ فیصل میرا تو ہر سانس تمہارا نام لے کر آتا ہے۔ فیصل میں نے اچھا بھلا گھر چھوڑ دیا میرا خاوند جو مجھ سے پیار بھی کرتا تھا، لیکن میں اسے پیار نہ کر سکی، دوسرے لمحہ ایک موٹر عقب سے نکلی اور روشی کی چیخ فضا میں بلند ہوئی، وہ موٹر کے نیچے آ گئی تھی۔

میرا وعدہ تیری نگاہ نہیں
اپنے وعدہ پہ برقرار ہوں میں،

روشی کو ہسپتال میں دو دن گزر چکے تھے۔ لیکن وہ اب تک بیہوش تھی۔ اس کے جسم پر بہت سی چوٹیں آئی تھیں، اور پسلیوں پر تو خاص حملہ تھا، ایکسیڈنٹ کی خبر فیصل کو بھی مل چکی تھی لیکن وہ یہ خبر سن کر بھی اسے دیکھنے نہ آیا۔ البتہ روشی کے شوہر اکرم اپنے بچے کو لے کر آئے تھے اور اس کی ماں تھی، وہ وہیں تھے۔

ڈاکٹر صاحب کب ہوش آئے اسے ۔۔۔ روشی کی ماں اپنی بیٹی کے لئے تڑپ رہی تھی۔

ڈاکٹر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور گھڑی دیکھ کر آگے بڑھ گیا، اس نے نرس کو کچھ لانے کو کہا، اور خود روشی پر جھک گیا۔

نرس انجکشن کا سامان لے آئی، اور ڈاکٹر نے روشی کو انجکشن دیا، پھر روشی کی ماں کی طرف مڑتا ہوا کہنے لگا۔

انجکشن دے دیا ہے۔ امید ہے کہ آدھ گھنٹے تک انہیں ہوش آجائے گا۔

روشی کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔

آدھ گھنٹے بعد اسے ہوش آیا تو وہ بڑ بڑا رہی تھی۔

فیصل ۔۔۔ مجھے نہ ٹھکراؤ۔ میں سب کچھ چھوڑ کر تمہارے پاس آئی ہوں!

اور پھر وہ چیخنے لگی۔

میرا بچہ۔ کہاں ہے۔ اسے لاؤ۔ اسے بھوک لگ رہی ہوگی۔

اکرم بچے کو لے کر باہر نکل گیا۔

روشی کی ماں آنسو بہانے لگی۔ کاش میں فیصل کو ہی اپنا داماد بنا لیتی آہ۔ میں نے ظلم کیا۔ ہاں میں ظالم ہوں۔ میں نے روشی کی زبان کس طریقہ سے بند کر دی۔ اور پھر فیصل کے ساتھ جو ظلم کئے واقعی وہ حق بجانب ہے اور پھر یکایک اس کے دل میں ایک خیال آیا، وہ بھاگی ہوئی باہر آئی، اور ٹیکسی لے کر وہ فیصل کی کوٹھی پہنچی۔

فیصل سویا ہوا تھا، لیکن بڑھیا ہر بات سے بے نیاز فیصل کے پلنگ کی طرف بڑھ گئی۔

بیٹا فیصل۔ بیٹا اٹھو۔ وہ گڑگڑا کر کہنے لگی۔

فیصل بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ اور اپنے سامنے روشی کی ماں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔۔۔۔ آپ —؟

آپ —!

ہاں بیٹیا —

میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔ میری۔ روشی مر رہی ہے، خدا کے لئے چلو اسے بچا لو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ تمہیں یاد کر رہی ہے۔ چلو۔

ایک لمحہ کے لئے فیصل کی آنکھیں ابل سی آئیں، وہ نفرت سے بولا —

تو میں کیا کروں —؟ مجھے کیا؟

اتنے سنگ دل نہ بنو بیٹیا۔ وہ مر رہی ہے۔ روشی کی ماں اپنا دامن پھیلا کر کہنے لگی۔

جب میں مر رہا تھا، تب تمہاری روشی نے میرا خیال کیا تھا، یا تم نے میرا خیال کیا تھا۔

وہ سب میرا قصور تھا — وہ سارا ظلم میں نے کیا تھا، روشی کی ماں ندامت سے کہنے لگی۔

تو اب کیا لینے آئی ہو۔ فیصل کی تلخی بدستور قائم تھی،

روشی کی زندگی۔

لیکن مجھے اس کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں —!

بیٹیا، روشی کی ماں گڑگڑائی۔

جاؤ — مجھے روشی سے نفرت ہے، وہ بے وفا ہے، اس نے مجھے انسان سے وحشی بنا دیا۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا، جاؤ!

وہ بے وفا نہیں ہے۔ روشی کی ماں نے درمیان میں کہا۔

فیصل کی آنکھیں ایک لمحہ کے لیے کھل گئیں۔

اور روشی کی ماں سر جھکا کر رہ گئی۔

اس نے جو کچھ کیا ہے میرے کہنے پر کیا، میں نے اسے بڑی مشکل سے اس بات پر منایا کہ وہ بھری محلس میں تمہاری بے عزتی کرے تمہیں ذلیل کرے اور تمہاری بے عزتی کے لئے وہ تیار ہو گئی۔ میں نے اسے کہہ دیا تھا، کہ اگر تم اس وقت ایسا نہ کرو گی تو اس پستول کی تین گولیاں فیصل کے سینے کے پار ہو جائیں گی۔ اور تین گولیاں میرے اپنے کام آئیں گی۔

وہ روئی چلائی، لیکن میں نے ایک نہ سنی۔ اور پھر . . . پھر وہ پتھر بن گئی۔ اور . . . . . اور . . . . . اس نے وہ سب کچھ کیا جو تم نے دیکھا۔

فیصل کو یوں معلوم ہوا جیسے وہ دنیا کا انتہائی ذلیل انسان ہے اسے یوں لگا جیسے اس کے دماغ میں ہلچل سی مچ گئی ہے، ایک زلزلہ سا آ گیا ہے۔

اس زلزلے نے نفرت جو عرصے اس کے دل میں پل رہی تھی ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو گیا۔ مٹھیاں بھینچ سی گئیں، ایک غلط خیال کا سہارا لے کر اس نے کیا کچھ نہیں کیا۔ کتنی زندگیاں برباد کیں ایک غلط سے نظریہ کے لئے وہ وحشی بن گیا، وحشی . . .

کاش . . . . . وہ اس خیال کو دل میں جگہ نہ دیتا، اس جذبہ کی پیروی نہ کرتا . . . مگر . . . مگر اب کیا ہو سکتا ہے!

اس کی تلافی ـــــ اس گناہ کا کفارہ، ہاں اس کا کفارہ۔
اس کی بدلتی ہوئی حالتیں روشی کی ماں کو اطمینان دلا رہی تھیں،
وہ بے تابی سے اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا، شاید یہ الفاظ انقلاب
کا باعث بن گئے تھے۔ اور اس کا دل دماغ بدل رہا تھا، نفرت اکھڑ
رہی تھی، ۔ ۔ ۔ اور اس کی جگہ شاید بے لوث محبت جنم لے رہی
تھی، ایک گھنٹے تک اس کی یہ حالت رہی، اور پھر وہ بے ہوش ہو کر
گر پڑا۔

روشی کی ماں گھبرا گئی۔ شراتی نے ڈاکٹر کو فون پر جلد بلایا فیصل
کو پلنگ پر لٹا کر ابتدائی تدبیریں کرنے لگا۔

اور کچھ دیر بعد جب فیصل کو ہوش آیا، تو وہ ایک نیا فیصل
تھا، جس کے دل سے تمام نفرت اکھڑ چکی تھی، جس کی نگاہوں
میں بے پناہ شرمندگی اور ندامت تھی۔ وہ بدل چکا تھا، ایک طوفان
آیا اور گزر گیا، روشی کی ماں جا چکی تھی۔ ۔ ۔ وہ سب ہی، اب
اسے روشی سے پھر پہلے والی محبت تھی، محبت جاگ اٹھی تھی، وہ سب
ہی لڑکیوں کو چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا، پردین کی سوت کا چرکا
کچھ اور گہرا ہو گیا تھا، رشیدہ کو وہ عورت کے سوا ایک فنکار بھی
سمجھنے لگا تھا، وہ بدل گیا تھا۔ بدل گیا تھا۔ ۔ ۔ اور اس تغیر کے
اثر میں اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اور پھر آنکھیں برسنے لگیں،
ندامت کے آنسو، پشیمانی کے آنسو، یہ آنسو شاید اسکے ماضی کی تلافی کر سکیں، شاید،

کون جانے .... وہ روتا رہا... سنگدل فیصل جس پر کسی کے آنسوؤں نے اثر نہ کیا تھا۔ جو دوسروں کے آنسوؤں پر صرف مسکرا دیا کرتا تھا آج وہ رو رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ ان آنسوؤں سے اپنے دل کے تمام داغ دھو ڈالے اور پھر اس کا دل صاف ہو.... اس پر کوئی داغ نہ ہو، اس کا ماضی دھل کر صاف ہو جائے، جل تھل ہو جائے، اور واقعی وہ بے حد رویا۔

یکایک اسے روشی کا خیال آ گیا، وہ مر رہی ہے، میری روشی ــــ میری محبت۔ میں آ رہا ہوں۔ میں آ رہا ہوں روشی۔

تمہارا وہی فیصل جس کے ساتھ تم چپ چاپ بیٹھی راتیں گزار دیا کرتی تھیں۔ اور جس کے لئے تم نے گھر بار ـ شوہر ـ اولاد کو چھوڑ دیا۔ میں آ رہا ہوں، وہ دروازے کی طرف بھاگا۔

شبراتی بھی اس کے ساتھ بھاگا۔

سرکار آپ کو ڈاکٹر منع کر گئے ہیں، اٹھنے کے لئے۔

مجھے کوئی منع نہیں کر سکتا۔ میں اپنی روشی کے پاس جا رہا ہوں۔

وہ دروازہ کھول کر اسی حالت میں باہر نکل گیا، گاڑی سامنے کھڑی تھی، اس نے اندھا دھند گاڑی اسٹارٹ کی اور ہسپتال کی طرف چل دیا۔ شبراتی بھی اپنے صاحب کی حالت دیکھ کر چلتی گاڑی پر بھاگ کر چڑھ گیا موٹر مختلف سڑکوں سے ہوتی ہوئی ہسپتال کے گیٹ میں داخل ہوئی دروازہ کھول کر اترا۔

روشی کہاں ہے ڈاکٹر۔ اس نے پاس سے گزرتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھا،
ڈاکٹر سوچنے لگا اور پھر حسرت بھری نظروں سے ایک طرف اشارہ کیا،
فیصل بھاگا ہوا گیا، روشی کے کمرے میں، پہنچ کر اس نے کئی چیخیں سنیں
وہ اس کی ماں کی چیخیں۔ ماں نے فیصل کو دیکھ کر زور سے کہا، اب کیا لینے
آئے ہو۔ فیصل ۔ روشی ہم سے روٹھ گئی۔ روشی تم سے بھی روٹھ گئی۔

اور فیصل کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ آہ۔ روشی . . . .
تم مجھے چھوڑ گئیں، آہ قسمت، جب دل میں پیار جاگتا ہے تو پیار
نہیں ملتا، میں کتنا بدقسمت ہوں، وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا
رہا۔ اور پھر ایک شور بلند ہوا۔ روشی کو ایمبولنس میں ڈال دیا گیا۔ وہ
بھی ہارے جواری کی طرح واپس آ گیا،

واپس آ کر پھٹا ہوا لاوا بہہ نکلا۔ وہ رو دیا۔ بچوں کی طرح
پھوٹ پھوٹ کر ۔ شبراتی کے سینے میں سر چھپا کر۔

کتنا بدقسمت ہوں میں . . . کتنا بدقسمت ۔ وہ غم سے
اپنے ہونٹ کاٹتا رہا۔

صبر کرو بیٹا۔ بوڑھا شبراتی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہنے لگا،
اپنی پہلی زندگی کو بھول جاؤ، اور نئی زندگی بناؤ۔ ایک نئی دنیا
بساؤ، جو تمہیں پیار دے، محبت دے۔

نہیں بابا۔ اب کوئی دنیا آباد نہ ہو سکے گی۔ زندگی بس ایک
ناسور بن کر رہ جائیگی، زخم رستے رہیں گے، اور میں سسکتا رہوں گا۔

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

روشنی کی موت نے فیصل کی زندگی ہی بدل دی تھی، اسے تمام لڑکیوں سے ہمدردی تھی، اور وہ ان سب کو احترام سے دیکھتا تھا، ان کی عزت کرتا تھا، جو لڑکیاں بھی اب تک اسے ملنے آ چکی تھیں ان سب کو اس نے خلوص سے بتا دیا تھا کہ وہ بدل گیا ہے، کوئی روٹھ گئی، کوئی روئی ۔ کوئی چلائی لیکن فیصل اب سچائی پر تھا، اور اپنے کھوئے ہوئے وقار کو حاصل کرنے لگا تھا ۔

نازی اس کی اب بھی دوست تھی لیکن گناہ کی زندگی سے اس نے توبہ کر لی تھی، ایک زبردست تغیر جو اس میں رونما ہوا وہ تھا اس کا سنجیدہ پن، وہ بہت ہی سنجیدہ ہو گیا تھا ۔

جشن کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں لیکن اس ہفتے تو فیصل کو اتنے حادثات سے دوچار ہونا پڑا کہ وہ سب کچھ بھول گیا، اہستہ جیکد

جشن کا صرف ایک دن رہ گیا تھا تو زیدی اور نازی نے اسے احساس دلایا تو وہ سب کچھ چھوڑ کر سنجیدہ ہو گیا اور جشن کی تیاری میں مصروف ہو گیا، آخر مرنے والوں کے ساتھ تو کوئی نہیں مرجایا کرتا، وہ پھر زندہ رہنے کی کوشش کرنے لگا تھا لیکن یہ زندگی کتنی اچھی تھی، گویا اس کا دل زخمی تھا، لیکن اسے ایک اطمینان تھا کہ اس کی روش بدل گئی ہے۔

وہ بدل گیا ہے۔ ... وہ گناہ نہیں کر رہا۔ اس کی روح کو تسکین سی مل گئی تھی، دوسرے دن ہی جشن تھا، اور آج رات بیٹھ کر وہ دیر تک جشن میں پیش کرنے والے نغموں کی ریہرسل کرتا رہا۔

اس نے بہت ہی پیاری غزلوں کا انتخاب کیا تھا، ایک تو نیم کلاسیکل دھن تھی، اور دوسری راگ بھیرؤی سے بنائی تھی، آج اس کی آواز میں بے پناہ درد تھا، ریہرسل کے بعد اس کا دل بالکل کسی چیز میں نہ لگا تو اس نے شراتی کو پکارا۔

شراتی۔

آیا سرکار

شراتی کمرہ میں ہی ایک طرف بیٹھا تھا،

تم یوں کرو کہ چائے بنا لاؤ۔ مجھے نیند نہیں آرہی۔

بہت بہتر سرکار۔

شراتی واپس جانے لگا تو اسے ایک بات یاد آگئی۔

وہ دوبارہ مڑ کر بولا۔

آج کی ڈاک بھی سرکار نے نہیں دیکھی۔ بہت سی ڈاک ہے ۔
لاؤں سرکار۔

ہاں رے آؤ ۔ فیصل نے جواب دیا۔

شبراتی ڈاک لاکر میز پر ڈال گیا۔ کئی خط تھے بیرونی ممالک کے
پاکستان کے ۔

فیصل پڑھنے لگا۔ لوگوں نے اس کے گانوں کی تعریف میں زمین آسمان
کے قلابے ملا دیئے تھے۔ وہ خط پڑھتا رہا مسکراتا رہا۔ پھر اس نے ایک
رجسٹری دیکھی، شاید کوئی کتاب تھی۔ کاغذ پھاڑ کر دیکھا۔ تو ایک خوش نما
جلد میں بندھی ہوئی کتاب اس کے ہاتھ میں تھی ۔

وہ اشتیاق سے دیکھنے لگا۔ چھپ گئی آخر ۔ . . . کتاب کے
ٹائیٹل کے اوپر بڑے بڑے حروف جیسے اس کی ترجمانی کر رہے تھے ۔

"سنگیت ہے میرے "

نیچے چھوٹا سا لکھا تھا۔ رشیدہ قریشی ۔

فیصل کا دل ٹائیٹل پر الجھ کر رہ گیا۔ کتنا ستھرا آرٹ تھا
کچھ ساز اوندھے پڑے تھے اس نے صفحہ الٹا۔ انتساب اس
کے سامنے تھا،

اپنے محبوب کے نام ۔

رشیدہ قریشی۔

اور پھر اسے سانولی سلونی رشیدہ یاد آ گئی ۔ رشیدہ کس

طرح میری زندگی میں آگئی۔ کتاب سے ایک نیلا کاغذ نکل کر اس کی گود میں گر گیا۔

فیصل اٹھا کر پڑھنے لگا۔

فیصل

میری دور افتادہ حسرتیں سلام کہتی ہیں،

کتاب چھپ گئی۔ بس یوں سمجھو کہ میں نے اپنا کلیجہ نکال کر اس کتاب میں رکھ دیا ہے۔ امید ہے تمہیں پسند آئے گی۔

تم نے مجھے خط لکھا اور اپنی داستان بھی سنائی اور ساتھ ساتھ اپنے بدل جانے کا مژدہ بھی سنایا۔ تم ہی کہو فیصل کیا میری کتاب غلط ہے ___ کیا میں نے صحیح نہیں لکھا۔ . . . ۔ تم پڑھ کر خود ہی کہو گے۔ کہ تم نے سچ لکھا ہے۔

فیصل تم کو اس تغیر پر میں مبارکباد دیتی ہوں، میں بہت ہی خوش ہوں، . . . . . . ۔ میں یہ ہرگز نہیں چاہتی کہ تمہیں پا لوں ___ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ میں یہی چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے چھن جاؤ۔ ہاں، ہاں کبھی ایسی پگلی لڑکی دیکھی ہے تم نے جو اپنے محبوب سے کہے گی کہ تم مجھ کو سے چھن جاؤ۔ . . . . جانتے ہو کیوں . . . ؟

اس لئے کہ جو غم تمہاری جدائی مجھے دے گی . . . .

جو غم میں سینے سے لگائے رہوں گی سسکتی رہوں گی . . . . سلگتی رہی ہوں گی۔ اور پھر جانتے ہو کیا ہوگا . . . . میرے . . . میرے

شاہکار .... اچھوتے ہوں گے .... میری تحریر میں
حقیقی سوز ہوگا .... غم ہوگا۔ اور شاید میں عظیم فن کار بن
جاؤں، ہے نا۔

فیصل مجھے اتنے غم دو کہ میں سب کچھ بھول جاؤں، سب کچھ بھول
جاؤں صرف تمہاری یاد باقی رہ جائے اور پھر اس یاد کا سہارا لے کر
میں اس طرح لکھوں کہ دنیا دنگ رہ جائے۔ اتنا سوز، اتنا غم آج تک
اس نے کسی کی تحریر میں نہ دیکھا ہو۔

یہ شاید میرا آخری خط ہے ..... اور آخری الفاظ کے ساتھ
خط بند کرتی ہوں کہ خدا کرے تمہارا دامن مراد ہمیشہ سچی اور بے لوث
محبتوں سے بھرا رہے۔ تم زندگی کی ایسی راہوں پر گامزن رہو،
جہاں مسرت کامرانی کے پھول قدم قدم پر تمہارا دامن چومیں، اور
ان انجانی اور ان دیکھی راہوں پر چلتے چلتے شاید کئی الفاظ تمہارے
کانوں میں گونج اٹھیں۔ شاید ... ؟ اگر یاد رکھو تو۔

ایک دیوانی

رشیدہ

رشیدہ .... پگلی ... تم واقعی بلند ہو خدا کرے
تم ایک عظیم فن کار بن جاؤ، ادبی دنیا میں ایک درخشاں ستارے
کی طرح چمکو۔

شبراتی چائے بنا کر لے آیا اور ہلکے ہلکے چائے پینے لگا۔

اب فیصل نے چائے بالکل چھوڑ دی تھی۔

چائے پی کر وہ لیٹ گیا۔ گیت یہ میرے " اس کے ہاتھ میں تھا ـــ وہ اسے پڑھنے لگا۔ کبھی کبھی اس کے ہونٹوں سے ایک آہ بلند ہوتی اور کبھی مسکراہٹ۔ واقعی گیت یہ میرے اس کی اپنی زندگی کا ناول تھا، یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ سارے واقعات اس کے سامنے آ رہے ہوں رات گئے تک وہ ناول پڑھتا رہا، حالانکہ دوسری رات ہی جشن تھا، جشن رات آٹھ بجے شروع ہونے والا تھا، اور پھر وہ کتاب پڑھ کر سونے کیلئے لیٹ گیا، نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، کئی چہرے اس کی نظروں کے سامنے ناچ رہے تھے، نقش بن بن کر مٹتے رہے۔

باہر چاندنی جوان تھی، ہر چیز نکھری ہوئی معلوم ہو رہی تھی، چاروں طرف ایک حسن بکھرا ہوا تھا۔ فیصل اٹھ کر دریچے میں کھڑا ہو گیا اور نہ جانے کب وہ اپنے پلنگ پر واپس آیا۔

٠:٠ ٠:٠ ٠:٠

ترکِ تعلقات کو گو مدتیں ہوئیں
لیکن تمہاری یاد سلامت ہے آج بھی

آرٹ کونسل کے سبزہ زار میں جشنِ موسیقی منعقد ہوا، باہر کاریں لائن در لائن کھڑی تھیں، اور پولیس لوگوں کے ہجوم پر کنٹرول کر رہی تھی اگلی نشستوں پر شہر کے بڑے بڑے رئیس سرکاری آفیسر اور دیگر اونچے طبقہ کے لوگ چہ میگوئیوں میں مصروف تھے۔ ہجوم بڑھتا جا رہا تھا، چاروں طرف روشنی کا ایک طوفان آیا ہوا تھا برقی قمقمے جشن کی رونق بڑھا رہے تھے۔

جن لوگوں کو جگہ نہ ملنے کی وجہ سے مایوس لوٹنا پڑ رہا تھا وہ آرٹ کونسل کے عملے سے شکایت کر رہے تھے، ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ عورتوں کی نشستیں ایک طرف تھیں، جہاں پر ایک ایک سیٹ پر دو دو بیٹھی تھیں خدا خدا کر کے ساڑھے آٹھ بجے اور آرٹ کونسل کے اناؤنسر نے یہ مژدہ سنایا کہ اب پروگرام شروع ہوتا ہے۔

سب سے پہلے آرٹ کونسل کے منیجر نے افتتاحی تقریر میں کہا۔

میں بڑی مسرت سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ آج جشن موسیقی یہاں پرمنایا جارہا ہے اس میں چوٹی کے فن کار حصہ لے رہے ہیں ۔

جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اپنی تمام تر کوشش کی کہ جشن ایک یادگار بن کر رہ جائے اور جتنی نشستوں کا انتظام کیا اس سے کہیں بڑھ کر ہجوم موجود ہے ۔ جس کے لئے ہم معافی چاہتے ہیں ۔ جو لوگ مایوس ہو کر واپس چلے گئے ہیں اور جارہے ہیں ۔ ان سے ہم معذرت کرتے ہیں ۔ تو لیجئے اب پروگرام شروع ہوتا ہے ۔ اور اس کے بعد جج جو فیصلہ کریں گے انعامی ٹرافی اسی کو ملے گی ۔ جو اس کا صحیح حق دار ہو گا ۔

تالیوں کی گونج میں منیجر نیچے اتر آیا ۔ اور اناؤنسر کی آواز گونجی ...
سب سے پہلے آپ کے سامنے مشرقی پاکستان کی مشہور فن کارہ نسرین ممتاز ایک بنگالی گیت پیش کرتی ہیں ۔ اور اسی لمحے نسرین ممتاز اسٹیج پر آکر جھک گئی ۔ اس نے سازوں کی آوازوں کے ساتھ اپنا گیت شروع کیا ۔ بنگالی گیت ۔ اور اس پر اس کی سحر زدہ آواز بے حد بھلی لگ رہی تھی ۔ گیت ختم ہوتے ہی لوگوں نے خوب داد دی ۔

نسرین ممتاز کے بعد انڈیا کی آرٹسٹ اوما دیوی آئیں اور کلاسیکل دھن میں ایک گیت سنا کر داد وصول کی ۔

ہربنس چند نے پکا راگ سنا کر لوگوں کو کچھ بور کیا

کراچی کے آرٹسٹ بھی اچھے رہے ۔ اس کے بعد لاہور کے آرٹسٹوں کی باری آئی ۔

مقابلہ بڑا سخت تھا، گانے والے سب ہی اچھے تھے۔ ایک نئی لڑکی نے تو اتنا اچھا گایا کہ سب لوگوں کی نگاہیں ٹرافی پر جم گئیں۔

فیصل جونہی اسٹیج پر آیا۔ شور سا مچ گیا۔ وہ سفید شیروانی اور چوڑی دار پاجامے میں کوئی روایتی شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔

اسٹیج پر آ کر وہ کچھ دیر سازندوں کو سنتا رہا۔ اور پھر نہایت سوز سے یہ غزل شروع کر دی۔

تم آئے ہو نہ شب انتظار گزری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے
نہ گل کھلے ہیں نہ ان سے ملے نہ مے پی ہے
عجیب رنگ میں اب کے بہار گزری ہے
وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

نہ جانے اس گھڑی فیصل کی آواز میں دنیا جہاں کا درد کہاں سے آ گیا تھا، چاروں طرف ایک خاموشی چھا گئی تھی۔ جس وقت فیصل نے غزل ختم کی تو اس کی اپنی آنکھیں بھیک سی رہی تھیں، وہ اپنے گیتوں پر خود ہی رو دیا تھا،

اور پھر کچھ دیر تک اور آرٹسٹ بھی آئے لیکن وہ تاثر پیدا نہ ہو سکا۔

بس یہی مشکل ہو گئی تھی۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

ججوں نے پہلا انعام فیصل کو دیا۔ جس وقت وہ ٹرافی لے رہا تھا کئی روشنیاں اس کے چہرے پر پڑیں۔ لوگ دھڑا دھڑ فوٹو لے رہے تھے رات کے تقریباً دو بجے یہ محفل ختم ہوئی۔

وہ ٹرافی اپنے ایک سیکریٹری کو دے کر زیدی کی طرف بڑھا۔

کیوں زیدی۔

وہ ہنستا ہوا کہنے لگا۔

بھئی تمہارا جواب نہیں۔ کمال کر دیا۔ زیدی نے جواب دیا۔

نازی بھی نیند سے بوجھل آنکھیں لئے ہوئے آ پہنچی۔

مبارک ہو فیصل ــــ

شکریہ . . . . نازی فیصل اسے ایک پرخلوص دوست سمجھنے لگ گیا تھا ــــ

چلو، چلنے کی صلاح نہیں کیا۔ نازی نے ہنس کر کہا۔

ہاں بس چلو۔

مجھے گاڑی میں چھوڑ آؤ فیصل میری گاڑی آج ورکشاپ گئی ہے۔

اچھا چلو۔ نازی اور فیصل زیدی کو خدا حافظ کہتے ہوئے باہر آئے۔

نازی بھی اگلی ہی سیٹ پر بیٹھ گئی فیصل نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

سناؤ نازی کیسی گزر رہی ہے فیصل بات کرنے کے لئے موضوع

ڈھونڈنا چاہتا تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ نازی پر کیسی گزر رہی ہے۔
نازی ناک سکوڑ کر کہنے لگی۔ یہ فلم ساز لوگ آج کل نئی تتلی کے
نخرے اٹھانے میں مصروف ہیں۔
کون نئی تتلی۔ فیصل نے انجان بن کر پوچھا۔
وہی چھوٹے قد کی۔ نازی نفرت سے کہنے لگی۔
کون ۔ روزی۔ فیصل ہنس کر کہنے لگا۔
ہاں وہی۔؟
ویسے اس کی پکچرز بڑی مقبول ہو رہی ہیں، اور فلمیں بھی تو بہت
ہی تھوڑے دنوں میں بن رہی ہیں۔
فلم ساز یہ دیکھتے ہیں کہ انہیں مفاد زیادہ ہو۔ اسی لئے وہ
مقبول ہے۔ لیکن نچلے طبقے میں بارہ آنے میں، دوسرے لفظوں میں
بھی کہہ سکتی ہوں۔ نازی کے لہجہ میں نفرت تھی۔
تم تو آرٹسٹ ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور ایک آرٹسٹ کی قدر کرنی
چاہئے۔ فیصل نے اسے چھیڑا۔
تم اسے آرٹسٹ کہتے ہو۔ لمبی لمبی چھلانگیں لگانا، کولہوں
کو مٹکانا اور نعرے لگوانے کا نام ہی آرٹ ہے۔ تو پھر۔ ۔ ۔ ۔
مگر ہے تو آرٹ ہی۔ ۔ ۔ ۔ فیصل درمیان میں بولا۔
لعنت ہے ایسے آرٹ پر۔ ۔ ۔ ۔ نازی کی نفرت
بدستور قائم تھی۔

چلو چھوڑو، تم اپنی سناؤ۔ . . شادی نہیں کر رہی کہیں۔
کر تو رہی ہوں . . . اگر تم مشورہ دو، نازی سوچ کر بولی۔
کس سے ــــ ؟
زیدی سے ــــ نازی نے کہا۔
ارے ــــ ! تم واقعی چھپی رستم ہو۔
ویسے زیدی اچھا آدمی ہے۔ کار نازی کے بنگلے پر رکی اور وہ ہنستی ہوئی۔ اتر گئی۔ اور فیصل اپنی کوٹھی کی طرف ہو لیا۔

⁂ ⁂ ⁂

کانپ اٹھتا تھا کبھی احساس تنہائی سے دل
اب یہ عالم ہے کہ گھبراتے ہیں ہر محفل سے ہم

اور پھر اسی طرح ایک سال بیت گیا۔
فیصل کی زندگی اسی ڈگر پہ چل رہی تھی، نازی نے زیدی سے شادی کر لی تھی۔ وہ اب بھی فلموں میں کام کرتی تھی، اکثر وہ دونوں آجاتے تو فیصل ہنس بول لیتا۔
لیکن فیصل کی پرانی زندگی ایک خواب ہی بن گئی تھی، وہ اکثر سوچا کرتا کہ اس نے ایک خواب دیکھا تھا جو ایک وحشی انسان کا خواب تھا، وہ وحشی انسانیت سے گر چکا تھا، گناہ گار تھا، لیکن جلد فیصل اسے بھولنے کی کوشش کرتا وہ اس زندگی کا تصور بھی نہ کرنا چاہتا تھا۔
زندگی گزر رہی تھی، پریشان سی۔ کبھی، وہ ہنس لیتا، کبھی پھر وہی اداس اس کے گیت ہر بازار ہر گلی ہر موڑ پہ گونجتے سسکتے ہوئے گیت سلگتے ہوئے گیت۔

ایک دن وہ بیٹھا ایک دھن گنگنا رہا تھا کہ زیدی اور نازی آ گئے۔

آؤ... آؤ... بھئی، اس وقت تم لوگوں کی یاد میں ہی تھا۔

اچھا پھر تو ہم بڑے خوش نصیب ہیں، زیدی نے کہا۔

بھئی میں تو اس بارش سے تنگ آ گئی ہوں، ہر وقت، کالی کالی گھٹائیں نازی بولی۔

ارے ساون کا مہینہ ہے بارش کیوں نہ ہو گی، فیصل نے جواب دیا۔ بلکہ مجھے تو اچھا لگتا ہے برستا آسمان۔

جی ہاں.... نہ کہیں آ جا سکے بس بند ہو کر بیٹھا رہے۔ ایک دن دو دن کی بات ہو تو مزا بھی آئے۔ آج پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے، اس کڑک چمک کو۔

چھوڑو..... کیا قصہ لے بیٹھیں۔ بھئی فیصل چائے پلواؤ۔ زیدی بارش کے قصہ سے بور ہو گیا تھا۔

فیصل نے چائے منگوائی۔ اور ہنستے ہوئے کہنے لگا، زیدی تم کو قدرت کے نظاروں سے بالکل انس معلوم نہیں ہوتا۔

تم اب یہ باتیں چھوڑو..... آج ہم ایک خاص بات کرنے آئے ہیں، زیدی چائے پیتے ہوئے کہنے لگا۔

خیریت... خیریت... یہ آج ہم کہاں..... ایسے نصیب پا بیٹھے۔

ہاں فیصل ہم آج تم سے فیصلہ کر کے جائیں گے نازی کہنے لگی۔

ہاں فیصل ہم آج تم سے فیصلہ کر کے جائیں گے، نازی کہنے لگی۔
بتائیے تو سہی ۔ ۔ ۔ کیسا فیصلہ ہے۔
فیصلہ یہ ۔ ۔ ۔ ۔ کہ تم شادی آخر کیوں نہیں کرتے زیدی بولا۔
ہاں فیصل ہم آج تم سے فیصلہ کر کے جائیں گے۔
بتائیے تو سہی ۔ کیسا فیصلہ ہے۔
فیصلہ ۔ یہ کہ تم شادی آخر کیوں نہیں کرتے زیدی بولا۔
فیصل نے قہقہہ لگایا ۔ ۔ ۔ اچھا یہ بات ہے تم شادی کر بیٹھے
اب سب کو ہی پھنسانا چاہتے ہو۔
مذاق میں نہ ٹالو، فیصل سنجیدگی سے بات کرو، نازی نے ڈانٹا،
فیصل ایک دم سنجیدہ ہو گیا، اور اس کا چہرہ کچھ پھیکا پڑ گیا۔
میں شادی کبھی نہ کروں گا۔ وہ آہستہ سے کہنے لگا۔
آخر کیوں۔ کچھ وجہ بھی ہو ؟ نازی جھلا کر کہنے لگی۔
تم جانتی ہو نازی۔ روشی کو، فیصل اسی انداز میں ہی بولا۔
مگر وہ تو مر چکی ہے، کیا تم ساری عمر یونہی گزار دو گے۔
ہاں ارادہ تو یہی ہے۔
فیصل اگر برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں زیدی درمیان میں کہنے لگا
ہوں ۔ ۔ ۔ تمہاری بات کا برا مان سکتا ہوں اس کے لبوں پر ایک
پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
یہ روشی جو تمہیں کہاں ملی تھی ۔ ۔ ۔ میرا مطلب ہے کہ اس نے فقرہ ادھورا
چھوڑ دیا۔

فیصل کے چہرے کی اداسی گہری ہو گئی، وہ سر جھکا کر چند لمحے خاموش بیٹھا رہا پھر کہنے لگا،

اچھا زیدی، آج میں اپنے دل کی بھڑاس ضرور نکالوں گا، ان لمحوں کی

یاد ضرور تازہ کروں گا۔ سنو... آج میری کہانی ہی سن لو۔

زیدی اور نازی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

فیصل نے آنکھیں اوپر اٹھائیں اور کہنے لگا۔

میں نے جب دنیا میں آنکھ کھولی، تو میری ماں مر چکی تھی، میرے والد ایک غریب کلرک تھے، اور وہ میری پرورش اچھی طرح نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے مجھے ایک یتیم خانے میں دے دیا، زندگی کے آٹھ سال میں نے یتیم خانے میں گزار دیئے، میں ایک ایسا یتیم تھا جس کا باپ دنیا میں تھا، لیکن میں یتیم کہلاتا تھا میرے والد مجھے کبھی کبھی ملنے آیا کرتے تھے، وہ ایک دائمی مریض تھے، اور ایک مرتبہ غبن کے کیس میں ایک مقدمہ ان پر چلا، جرمانہ ادا کر کے وہ رہا تو ہو گئے، لیکن جرمانے کی رقم قرض ہو گئی۔ سو روپے تنخواہ لیکر وہ قرض بھی ادا کرتے اور خود بھی گزارہ کرتے رہے۔

آٹھ سال بعد وہ مجھے یتیم خانے سے لے آئے اسی وقت سے لوگ میری آواز کی تعریف کیا کرتے تھے، میں یتیم خانے کے مہتمم کا رٹایا ہوا گیت جب گلیوں میں گایا کرتا تو لوگ مجھے خوب پیسے دیا کرتے اور بڑی دیر تک مجھ سے نغمیں وغیرہ سنا کرتے۔

والد صاحب مجھے اپنے ساتھ لے آئے، ان کا دوست سپرنٹنڈنٹ شیخ نصیرالدین بھی میرا خیال اچھی طرح رکھا کرتے، والد صاحب اکثر بیمار رہتے تھے میں اسکول

پڑھا کرتا، آکر روٹی پکایا کرتا، کام کاج کرتا، ایک مرتبہ والد صاحب بہت زیادہ بیمار پڑ گئے، شیخ صاحب کے گھر والوں نے ہمارے ساتھ بڑی ہمدردی کی اور پھر ایک دن والد صاحب مجھے شیخ صاحب کے حوالے کر کے خود ملک عدم سدھارے، اس وقت میں جی بھر کے رویا،

فیصل کی آنکھیں بھیگ سی گئیں، آواز میں رقت آگئی تھی، وہ صوفے سے ٹیک لگا کر کہنے لگا۔ زیدی میں تمہیں کیا بتاؤں میرے والد کتنے اچھے آدمی تھے، اور ماں کو تو میں نے دیکھا ہی نہیں۔

ہاں تو پھر شیخ ظہیر الدین مجھے اپنے ہاں لے آئے وہاں ایک چھوٹی سی بچی بھی تھی جس کا نام روشنی تھا، روشنی کی ماں کو میرے ساتھ خدا واسطے کا بیر تھا، وہ مجھ سے کام کرواتیں اور ڈانٹتی بھی رہتیں، وہ تو میرے اسکول جانے کے بھی خلاف تھیں لیکن شیخ صاحب کی وجہ سے چپ ہو جاتیں۔ روشنی کی ماں جب مجھے مارتیں تو روشنی چیخ چیخ کر روتی، حتیٰ کہ اپنی ماں کے بال نوچ ڈالتی۔

شیخ صاحب میرے ہمدرد تھے لیکن وہ بیچارے باہر رہتے، روشنی میری سب سے زیادہ ہمدرد تھی، ہم دونوں کی بڑی دوستی تھی،

اور پھر اسی طرح ڈانٹ کھاتے، روتے پیٹتے کئی سال گزر گئے، میں نے میٹرک کر لیا، روشنی نے بھی میٹرک کر لیا، روشنی کی ماں نے میری آئندہ تعلیم منقطع کر دی تھی، اور مجھے کام کرنے کو کہا، لیکن میں سوائے ستار بجانے اور گانے کے کچھ نہ کر سکا، ایک دو جگہ نوکری کے لئے گیا لیکن نوکری نہ ملی۔

اسی دوران شیخ صاحب کا انتقال ہوگیا۔ بس روشنی کی ماں دن رات مجھے ہی کوستی رہتی۔ میرے گیتوں سے وہ تنگ تھی۔ لیکن ایک روشنی تھی جس کی وجہ سے میں ان کے گھر رہ رہا تھا، اور برداشت کر رہا تھا، وہ مجھے تسلیاں دیا کرتی۔ ہم دونوں ساری ساری رات بیٹھے گزار دیا کرتے۔ میں روشنی کو چاہنے لگا۔ دل کی گہرائیوں سے اور اس کا بھی یہی حال تھا۔

اس کی ماں مجھ سے بہت تنگ آگئی۔ اور پھر اس نے روشنی کی منگنی کر دی۔ مجھے گھر سے نکال دیا۔ میرا برا حال تھا۔ روشنی اس دوران مجھے ملا کرتی، اور میرا خرچ چلانے کے لئے، روپے بھی بھیجا کرتی۔ میں نے اسے بہت کہا، اس کی ماں سے کہا لیکن بھلا ایک مفلس اور قلاش جوان کے ٹکڑوں پر پلا تھا جس کا کل سرمایہ صرف ایک ستار تھا، اپنی لڑکی کیسے دے دیتی۔ ایک دن میں نے سنا کہ روشنی کی شادی ہو رہی ہے۔

میں نے روشنی سے کہہ دیا کہ وہ انکار کر دے کیونکہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

روشنی نے مجھ سے وعدہ کیا، اور یہ بھی کہا کہ جو تم سے ہوتا ہے وہی کر لو۔ لیکن روشنی نے کچھ نہ کہا۔ جب شادی میں صرف ایک دن رہ گیا۔ میں اس وقت بھی روشنی کے پاس گیا، اسے اپنی محبت کے واسطے دیئے وہ رو تی رہی، اور کہتی رہی، میں مجبور ہوں۔ میں کیا کر دوں۔ میں نے کہا، [illegible] کیا کر دو گا۔ مجھے تمہیں اعتراض تو نہیں ہے۔ وہ سخت اطمینان [illegible]

جب بات آئی تو میں نے سب کے سامنے اپنی اور روشنی کی محبت کا قصہ دہرایا، اور کہا کہ یہ شادی زبردستی ہو رہی ہے۔ روشنی کی اس میں بالکل مرضی نہیں۔ لوگوں نے مجھے مارا پیٹا لیکن میں چیختا رہا کہ روشنی میری ہے، یہ زبردستی کی شادی ہے۔

تب چند بزرگ قسم کے لوگوں نے مشورہ دیا کہ روشنی سے پوچھ لیا جائے۔

—— میں خوش تھا مجھے روشنی پر اعتبار تھا،

لیکن روشنی نے ...... فیصل رک گیا

کیا کہا روشنی نے، نازی نے بے قراری سے پوچھا،

روشنی نے بھری مجلس میں مجھے ذلیل کر دیا۔ اس نے کہا کہ یہ مجھ پر الزام لگاتا ہے، میں اس کو نہیں جانتی، یہ ذلیل ہے، کمینہ ہے فیصل کہہ رہا تھا،

نازیہ اور زیدی ایک ساتھ بولے،

ایں... یہ کیوں .... ایسا کیوں کہا۔ اس نے۔

یہ مجھے بعد میں اس کی موت سے کچھ دیر پہلے اس کی ماں نے بتایا کہ وہ پستول لے کر کھڑی تھی اور اس نے یہ الفاظ روشنی کے منہ سے اس سے نکلوائے تھے۔

مگر روشنی کیوں تیار ہوگئی ایسا کہنے پر۔ زیدی حیرت سے بولا

روشنی کی ماں نے کہا تھا، کہ اگر ایسا نہ کرے گی تو پستول کی دو گولیاں فیصل کے سینے کے پار ہوں گی اور باقی اس کے اپنے یعنی اس کی ماں کے

اف کتنی ظالم عورت تھی، نازی کانپ کر بولی۔

کاش مجھے اس وقت پتہ چل جاتا کہ، فیصل کے لبوں سے ایک آہ نکلی،
پھر تمہاری خاطر تو برات والوں نے خوب کی ہو گی، زیدی بولا۔
ظاہر ہے، مجھے پولیس کے حوالے کر دیا گیا خوب خوب الزام لگائے
گئے، اور پھر مجھے تین سال کی قید ہو گئی۔
تین سال، زیدی حیرت سے بولا۔
ہاں لاوارث جو تھا، مجھے روشی سے نفرت ہو گئی۔ ہر لڑکی سے نفرت
ہو گئی۔ اس جنس سے نفرت ہو گئی۔ اور پھر اس نفرت نے مجھ سے کیا کیا
کروا دیا۔ میں انسان سے وحشی بن گیا۔ انسانیت سے گر گیا، میں نے بدلہ لینے
کی ٹھان لی، اور میں روشی کا بدلہ دوسری لڑکیوں سے لیتا رہا۔ میں انہیں دکھ
دے کر خوش ہوتا، انہیں تڑپتا دیکھ کر مجھے دلی تسکین ہوتی، مجھے شہرت
مل گئی، میرا فن چمک اٹھا، لیکن میری ذہنیت کتنی پست تھی، یہ میں
آج ہی اندازہ کر سکا ہوں، روشی نے میری خاطر خاوند سے طلاق
لے لی۔ اپنا بچہ چھوڑ دیا۔ اور میں نے بھی اسے ٹھکرا دیا، وہ یہ غم
برداشت نہ کر سکی اور مجھے چھوڑ گئی ـــــ اس کی ماں نے آکر مجھے
بتایا۔ تو میں ہسپتال پہنچا، لیکن وہ ختم ہو چکی تھی، میں سنبھل گیا
لیکن کس وقت، کاش میں گناہ کی تلافی کر سکتا، فیصل جذبات میں بہہ گیا،
بڑی درد بھری داستان ہے تمہاری۔ نازی اور زیدی دونوں
بڑے متاثر نظر آتے تھے۔
خیر اب جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ اور میری مانو تو شادی کر لو،

زیدی نے پھر مشورہ دیا۔

میں شادی نہیں کروں گا، دوست اپنے گیتوں کے سہارے زندہ رہوں گا۔ مجھے اپنے فن سے پیار ہے، ورنہ میں کب کا مرچکا ہوتا۔

ایسا کیوں سوچتے ہو پگلے! اس رات دیر تک نازی اور زیدی وہیں بیٹھے رہے، اور تقریباً بارہ بجے واپس گھر لوٹ گئے، آسمان پھر برسنے لگا تھا، اندھیری اور خوفناک رات میں بجلی کی کڑک اور بھی ہیبت ناک تھی، اس رات فیصل بہت جلد سو گیا، شاید اس کا دل ہلکا ہو گیا تھا۔

اپنی تنہائیوں کا مجھے کوئی غم نہیں
تم نے کسی کے ساتھ محبت نبھا تو دی

مسلسل دس دن کی بارش سے لوگ گھبرا گئے تھے، آسمان ہر وقت سفید اور کالے بادلوں سے ڈھکا رہتا تھا، سڑکیں ٹوٹ گئی تھیں کئی شکستہ مکان گر گئے تھے، سڑکوں پر گڑھے بن گئے تھے، اور ان پر کئی کئی فٹ پانی کھڑا تھا، لوگ جھنجھلا سے گئے تھے۔

اس رات فیصل دیر تک اسٹوڈیو رہا۔ ایک فلم کی شوٹنگ تھی اور اس میں فیصل کو سامنے آکر گانا سنانا تھا، سالگرہ کا سین فلمایا جا رہا تھا، اور سالگرہ کی پارٹی میں فیصل کا گانا تھا، رات تقریباً دو بجے تک وہ وہیں رہا۔ جب اس کا کام ختم ہو گیا تو وہ باہر نکل آیا، باہر آکر اسے معلوم ہوا کہ بارش تیز ہو گئی۔

بجلی کی چمک ماحول کو اور بھی زیادہ خوفناک بنا رہی تھی فیصل نے برساتی پہن لی، اور بوچھاڑ سے بچتا ہوا موٹر تک پہنچا اور پھر اس نے

موٹر اسٹارٹ کر دی۔ موٹر کی تیز روشنی سڑک پر پھیل گئی۔ اور پھر وہ روشنی کا دائرہ وسیع ہوتا رہا۔ اور اسی نشان پر وہ چلتا رہا۔

مختلف سڑکوں سے ہوتا ہوا وہ ایک سڑک پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دو آدمی بھاگے جا رہے تھے وہ حیرت سے انہیں دیکھتا ہوا گزر گیا، ابھی وہ اگلا موڑ مڑنے ہی لگا تھا کہ موٹر کی روشنی میں ایک سفید چادر میں لپٹا ہوا کوئی ادھر سے بھاگا۔ فیصل حیرت میں تھا، موٹر کی رفتار تیز کر دی۔ اور باہر دیکھنے لگا۔ ایک نسوانی آواز اسکے کانوں میں گونجی۔

خدا کے لئے۔ مجھے بچایئے۔ گاڑی روکئے۔ فیصل نے گاڑی روک لی۔ چادر میں لپٹی ہوئی عورت فیصل کے قریب آگئی۔

کیا میں گاڑی میں بیٹھ سکتی ہوں، آپ اس وقت مجھے یہاں سے نکال دیجئے۔ میں آپ کی بہت ممنون ہوں گی۔

بیٹھئے۔ فیصل نے کہا۔

ایک لمحہ لڑکی نے اپنے بھیگے ہوئے کپڑوں کی طرف دیکھا اور شکریہ کہہ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی،

فیصل نے موٹر اسٹارٹ کر دی۔

ذرا جلدی کیجئے۔ غنڈے میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ آواز میں خوف سے کپکپاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔

کہاں چلنا ہے آپ کو۔ فیصل نے رفتار تیز کرتے ہوئے کہا۔

میں . . . مجھے . . . وہ گھبرا سی گئی اور پھر سنبھلتے ہوئے

کہنے لگی۔ مجھے اسٹیشن کے مسافر خانے میں پہنچا دیجئے۔

سوچ لیجئے۔ وہاں غنڈے آپ کی تلاش میں ضرور پہنچیں گے، فیصل نے کہا۔

ہاں ... وہ واقعی ڈر گئی ... تو پھر ...

اگر آپ مناسب سمجھیں تو آج میرے گھر چلئے۔ صبح آپ کو جہاں بھی جانا ہوگا میں پہنچا دوں گا۔

آپ کے گھر ... آپ کی بیگم صاحبہ تو کچھ نہ کہیں گی۔ وہ معصومیت سے بولی۔

میری بیگم .... فیصل ہنسا .... میری شادی نہیں ہوئی۔

تو پھر گھر میں اور عورتیں تو ہوں گی نا ... میرا مطلب ہے آپ کی امی وغیرہ ... لڑکی کے لہجہ میں شرمندگی تھی۔

جی نہیں میری امی بھی نہیں ہیں۔ اور گھر میں کوئی عورت نہیں ویسے میں ... آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ... وہ چپ ہو گیا۔

لڑکی بھی چپ سی ہو گئی۔ موٹر فیصل کے بنگلے پر پہنچی تو چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ شراتی بھی باہر نکل آیا۔

فیصل موٹر سے اتر کر پچھلی سیٹ کے قریب آکر بولا۔

آیئے۔

لڑکی سمٹی ہوئی سی باہر نکلی ... اس کا چہرہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔

!!..... ساتھ والا کمرہ کھول دو...... ..... اور ہاں وہاں ایک بستر لگا دو۔

شبراتی حیرت سے دیکھتا ہوا اندر چلا گیا۔

آیئے! فیصل نے سمٹی اور سکڑی ہوئی لڑکی سے کہا۔

مگر وہ وہیں کھڑی رہی۔

آیئے نا... فیصل برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر بولا۔

میرے کپڑے گیلے ہیں۔ اور خراب بھی.... میں یہیں برآمدے میں بیٹھ جاتی ہوں۔ صبح ہونے تک۔

چلیئے اندر تو چلئے۔ شاید کوئی کپڑے مل جائیں۔

لڑکی پھر بھی اندر نہ گئی۔

آپ گھبرائیں نہیں... آجائیں فیصل نے دوبارہ کہا۔

لڑکی آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چل دی۔ اس نے اپنے آپ کو بڑی طرح چھپا رکھا تھا۔

کمرے میں پہنچ کر فیصل نے کہا، یہاں پر لیڈیز کپڑے تو آپ کو نہ مل سکیں گے۔ البتہ میرے اپنے کپڑے حاضر ہیں۔ فیصل الماری کی طرف بڑھا، اور اپنا ایک سلیپنگ سوٹ لاکر کرسی پر رکھ دیا۔

لڑکی اب تک کھڑی تھی

آپ اطمینان سے بیٹھئے

جی... میں پردہ کرتی ہوں، اگر.. لڑکی جھجکتے ہوئے کہنے لگی۔

اچھا میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں، آپ اطمینان سے کپڑے بدلئے۔ اور اسی کمرے میں سو جائیے۔ میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔

فیصل دوسرے کمرے میں چلا گیا، لڑکی نے سب سے پہلے دونوں دروازوں کی کنڈی چڑھائی اور پھر اپنی بھیگی ہوئی چادر اتاری اور فیصل کے سلیپنگ سوٹ کو دیکھنے لگی۔ کچھ سوچ کر اس نے میلے کپڑے اتار لئے اور فیصل کا سوٹ پہن لیا۔ اس ڈھیلے ڈھالے سوٹ کو پہن کر اس کا حسن اور بھی نکھر گیا۔

وہ کمبل لے کر لیٹنے ہی لگی تھی کہ دروازہ کھٹکا۔ وہ ڈر سی گئی، نہ جانے اس کا میزبان . . . کیسا آدمی ہے۔ یوں تو بہت شریف معلوم ہوتا ہے۔ اس نے تمام باتیں نگاہیں نیچی کر کے کیں۔

وہ اٹھی اور دروازہ کے قریب جا کر بولی۔

کون ہے . . . ؟

میں ہوں بی بی۔ صاحب نے یہ کافی بھجوائی ہے، شبراتی ٹرے تھامے کھڑا تھا۔

لڑکی نے دروازہ کھولا۔ اور ٹرے تھام لی۔

اور چٹخنی دوبارہ چڑھا کر وہ اپنے آپ پر لعنت کرنے لگی کہ اتنے شریف آدمی کے بارے میں وہ ایسے خیالات اپنے دل میں لائی۔

کافی پی کر اس نے اپنے آپ میں زندگی کی لہر محسوس کی پھر وہ پلنگ پر لیٹ کر اپنی پچھلی زندگی پر غور کرنے لگی۔

اف ماں ... تمہارے مرتے ہی لوگوں نے آنکھیں پھیر لیں، ممانی تو میری جان کی دشمن بن گئی تھی۔ اور ماموں ... خدا بچائے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کتنے ظلم سہے میں نے اس گھر میں لیکن اب اور نہ جانے میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔ اگر ماں کی نصیحت میرے سامنے نہ ہوتی تو میں خودکشی کر لیتی، تمام مصیبتوں سے چھٹکارا مل جاتا۔ اب کیا ہوگا ... صبح کہاں جاؤں گی۔ اور پھر میرے پاس کوئی پیسہ تک بھی نہیں ہے۔ کیا کروں گی۔ کیا ہوگا، نیند بے چاری کی آنکھوں سے اڑ گئی تھی۔ حالانکہ وہ بری طرح سے تھک چکی تھی۔ اور کئی گھنٹے مسلسل بارش میں بھیگتی ہوئی بھاگی تھی جسم تھکاوٹ سے چور تھا۔

اور پھر فکرمند سی ہو کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

...   .

میں بنا تو لوں نشیمن مگر آہ کون جانے
مجھے راس آئیں گے جو اصول ہیں چمن کے

صبح فیصل تقریباً نو بجے اٹھا۔ آج اسے بھی کچھ نیند نہ آسکی تھی
تیار کردہ ناشتے کی میز پر پہنچا تو شبراتی موجود تھا۔
وہ اٹھ گئیں ہیں شبراتی ... فیصل نے اجنبی لڑکی کے بارے
میں پوچھا۔
جی ہاں ..... وہ تو بہت صبح اٹھی تھیں۔ مجھ سے پانی
منگوایا، پھر وضو کر کے نماز پڑھی۔
اچھا ..... ناشتہ بھجوا دیا تم نے ۔؟
جی نہیں ..... ابھی لے کر جاتا ہوں شبراتی نے جواب دیا۔
جاؤ پہلے انہیں ناشتہ دے آؤ۔ فیصل بولا۔
اچھا سرکار ...... شبراتی کچن کی طرف چلا گیا۔
فیصل لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا ...... نہ جانے

کون ہے بے چاری پر کیا مصیبت پڑی ہے، دو آدمی اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔

شبراتی ناشتہ دے کر واپس آگیا تو فیصل نے پوچھا۔ دے آئے ناشتہ —!

جی سرکار —۔۔ سرکار وہ مجھ سے بھی پردہ کرتی ہیں، کسی اچھے گھرانے کی لڑکی لگتی ہے فیصل نے جواب دیا۔

جی ہاں۔۔۔۔۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

ناشتے کے بعد فیصل ڈرائینگ روم میں آگیا، ڈرائینگ روم کا ایک دروازہ اس طرف تھا، جہاں وہ اجنبی لڑکی تھی۔

فیصل نے شبراتی سے کہا۔ جاؤ ان سے کہو کہ آپ نے جہاں پر جانا ہے بتا دیں تاکہ آپ کو پہنچا دیا جائے۔

لڑکی خود دروازہ کے پاس موجود تھی، وہ دہل سی گئی۔ رات سے وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکی تھی، کہ کہاں جائے گی۔ اس کی ایک ہی سہیلی تھی، البتہ اتنا اسے پتہ تھا کہ وہ کوئٹہ رہتی ہے لیکن کوئی اڈریس اس کے پاس نہ تھا، اس کا خاوند ریلوے میں ملازم تھا، آخر وہ کیسے اس کا پتہ کر سکتی تھی۔

شبراتی نے فیصل کا پیغام اسے دیا تو وہ آہستہ سے کہنے لگی۔ میں نے سن لیا ہے —! اور پھر کچھ سوچ کر بولی۔ آپ مجھے اسٹیشن پہنچا دیں میں کہیں بھی چلی جاؤں گی۔ مگر یہاں سے تو نکل جاؤں۔

کیا آپ کسی عزیز کے ہاں جانا چاہتی ہیں ۔ . . . . . اب کے فیصل خود بولا۔

جی . . . . نہیں تو . . . . میرا کوئی عزیز نہیں ہے۔ اس کی آواز میں رقت آ گئی۔

تو پھر . . . . . ؟

میں کہیں بھی چلی جاؤں گی۔ لڑکی کھوئی کھوئی سی کہنے لگی۔

یہ تو مناسب نہ ہوگا۔ کیونکہ آپ جانتی ہیں کہ آج کل کیا کچھ ہو رہا ہے۔ ایک تنہا لڑکی کے لئے قدم قدم پر مصیبتیں ہیں۔

جی یہ تو آپ صحیح فرماتے ہیں۔ لیکن پھر آخر میں کروں کیا۔ لڑکی روہانسی ہو کر کہنے لگی۔

کیا آپ کا کوئی عزیز نہیں ہے۔

جی نہیں —

تو پھر آپ یہیں رہیں جب تک کوئی معقول انتظام نہ ہو جائے،

جی یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لڑکی پریشان سی کہنے لگی۔

اور پھر کچھ سوچ کر آہستہ سے کہنے لگی۔

کیا . . . . یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ آپ مجھے کہیں ملازم کروا دیں میرا مطلب ہے کہ آپ کے دوست وغیرہ تو ہوں گے۔ ان کے ہاں اگر کسی ٹیچر یا آیا کی ضرورت ہو۔

تو پھر آپ یہاں پر ہی رہیں . . . . . . میں کوشش کروں گا۔

گا کہ آپ کو کہیں عزت دار ملازمت مل جائے۔

جی آپ کی بڑی مہربانی ــــ لڑکی کی آواز سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔

آپ کی تعلیم ــــ؟

جی ــــ میں تو میٹرک بھی نہیں ہوں ــ وہ بیحد رنجیدہ تھی

کوئی بات نہیں ــ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ اسے اپنا گھر سمجھیں۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے ــــ اور ہاں جس چیز کی ضرورت ہو بے تکلف کہہ دیں ــ فیصل اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔

لڑکی شکریہ کے دو الفاظ بھی نہ کہہ سکی۔

فیصل کو اسٹوڈیو جانا تھا وہ شبراتی کو ہدایت دیتا ہوا چلا گیا۔

شبراتی واپس آیا تو لڑکی نے اسے پکارا۔

بابا ــ!

آیا سرکار

بابا ــــ کوئی سر درد کی گولیاں ہوں گی ــــ؟ لڑکی نے پوچھا۔

ابھی لایا ــــ! شبراتی سر درد کی گولیاں لے کر دروازے کے پاس گیا ہی تھا کہ لڑکی کی آواز آئی۔

اندر آجاؤ بابا ــــ تم میرے بزرگ ہو، تم سے میں کیسا پردہ کروں گی ــ

شبراتی جھکتا ہوا اندر گیا۔ لڑکی کرسی پر بیٹھی تھی یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی آسمانی حور یہاں آکر بیٹھ گئی ہو ــــ لڑکی کے لمبے لمبے بال اس کی پشت پر پڑے تھے اور دو پٹہ سے سر ڈھکا ہوا تھا۔

شبراتی ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے آج تک ایسی حسین صورت نہ دیکھی تھی۔ حالانکہ اس کے صاحب کے پاس حسین سے حسین لڑکیاں آتی رہی تھیں۔

لڑکی نے شبراتی سے گولی لے لی۔

شبراتی جھینپ کر کہنے لگا ــــ سر میں درد ہے بیٹیا۔؟

ہاں بابا ــ! کچھ حرارت بھی ہے۔ سر چکرا رہا ہے۔

تو پھر ڈاکٹر کو بلا لاؤں۔

نہیں۔ ڈاکٹر کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم ایک گلاس پانی لا دو۔

شبراتی دوڑ کر پانی لے آیا۔ اور قدرت کی ستم ظریفی پر ہاتھ ملنے لگا۔ یہ لڑکی نہ جانے کیسے یہاں آگئی۔ اور پھر اس کے دل میں ایک خواہش ابھری کہ کاش یہ لڑکی فیصل کی زندگی میں آجائے اور پھر اس کی ویرانیاں دور ہو جائیں۔

اس کوٹھی میں بہار آجائے ــ کتنی رونق ہو جائے۔ بیچارہ بوڑھا سوچ کر خوش ہوتا رہا۔

✳ ✳ ✳

اب تو دامن چھوڑ دے بیکار امیدوں کا اے دل
بہت دکھ سہہ لئے میں نے بہت دن جی لیا میں نے

دوپہر کو فیصل واپس آیا تو شبراتی بہت گھبرایا ہوا تھا۔
کیوں شبراتی خیریت! اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو — فیصل نے پوچھا
جی وہ —! بٹیا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ بخار بہت تیز ہے۔ نہ جانے کیا کیا بڑبڑا رہی ہیں۔
کون بٹیا —؟
جی وہی — جو رات ہمارے ہاں آئی تھیں۔
اچھا —! تو پھر ڈاکٹر کو بلایا ہوتا —!
انہوں نے منع کر دیا تھا صاحب! شبراتی نے کہا۔
عجیب بے وقوف انسان ہو تم بھی — فیصل جھلا سا گیا
— جاؤ ڈاکٹر کو فون کر کے بلا لاؤ —
اچھا صاحب —!

شبراتی فون کرنے لگا ــــ صاحب وہ ایکدم چلّایا۔
کمپاؤنڈر کہہ رہا ہے کہ ڈاکٹر مریض دیکھنے گئے ہیں۔ ابھی آتے ہیں
تو بھیج دیتے ہیں۔
اچھا ــ تم جاؤ۔ وہاں جاکر۔۔۔ مگر وہ تم سے بھی تو پردہ کرتی ہے۔
فیصل سوچنے لگا۔
نہیں سرکار وہ مجھ سے پردہ نہیں کرتیں اب۔!
ــ اچھا تو جاؤ پھر وہیں بیٹھو۔
شبراتی چلا گیا ــــ تو پھر ایک دم چلّاتا ہوا آیا۔ شبراتی کا رونا دیکھ
کر وہ گھبرا گیا۔
سرکار ــــ وہ تو شاید اللہ کو پیاری ہوگئیں۔
ایں ــ! یہ کیا کہہ رہے ہو ــ فیصل کو افسوس ہوا وہ بھاگتا ہوا
اس کمرے میں گیا۔
شبراتی نے کمبل چہرے سے ہٹایا تو فیصل سکتے میں آگیا زرد زرد
چہرہ ــــ لمبی لمبی بند آنکھیں جن پر پلکوں کی جھالر بڑی مشکل سے ان
آنکھوں کا حسن سمیٹے ہوئے تھی۔ ستواں ناک، چھوٹا سا دہانہ۔ گلاب کی
پتیوں کی طرح پتلے پتلے ہونٹ۔
فیصل نے گھبرا کر لڑکی کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ نبض بے حد آہستہ چل
رہی تھی۔
ارے بیوقوف ــ! اس نے شبراتی کو گھورا جو آنکھوں پر ہاتھ رکھے رو رہا تھا۔

کیوں سرکار — ؟

یہ تو زندہ ہیں۔ جاؤ جلدی ڈاکٹر کو بلاؤ

فیصل نے پھر جھکی ہوئی نگاہیں اٹھائیں۔ لڑکی کے گھنگریالے بال جن میں قدرتی خم تھے۔ ماتھے کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔

فیصل عجیب کشمکش میں تھا۔ آج مدت بعد اس کے دل میں ایک عجیب سا جذبہ پیدا ہوا تھا۔ وہ کبھی نگاہیں اٹھاتا کبھی پھر جھکا لیتا۔

اتنے میں شبراتی ڈاکٹر کو لے کر آ گیا۔ ڈاکٹر لڑکی پر جھک کر معائنہ کرنے لگا۔ پھر اس نے کوئی چیز نکال کر سنگھائی۔ انجکشن دیا۔ اور ناک کے قریب کوئی چیز ملی — لڑکی کو کچھ کچھ ہوش آنے لگا۔

ابھی ان کو ہوش آجائیگا — یہ دوائیاں منگوا لیجئے اور کچھ دوائیاں ہیں مطب سے دے دیتا ہوں۔

شبراتی ڈاکٹر کا بیگ پکڑے ہوئے ڈاکٹر کے ساتھ باہر نکل گیا۔

لڑکی بیقراری سے کروٹیں بدلتی رہی اور بڑبڑاتی رہی۔۔۔ الفاظ کچھ سمجھ میں نہ آرہے تھے۔

میں۔۔۔۔ شادی نہیں کروں گی۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ وہ میرے باپ سے بڑا ہے۔ ظالم ہے۔۔۔۔ نہیں — معافی! میرے ساتھ ظلم نہ کرو — ابھی کرتی ہوں کام — برتن دھولئے ہیں۔ ہانڈی پکاتی ہوں۔۔۔۔ ہاں کپڑے دھولاؤں گی — ہاں۔

فیصل حیرانگی سے باتیں سن رہا تھا۔

شبراتی دوائی لے آیا تو فیصل اسے وہاں بٹھا کر ڈرائینگ روم میں
چلا آیا۔ سگریٹ سلگا کر وہ اس حسین لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا نہ جانے
اس پر کیا افتاد پڑی ہے۔ کسی اونچے گھر کی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔
دل کے کسی کونے سے آواز آئی۔ فیصل! یہی ہے جس کی تمہیں تلاش
تھی۔ جسے تم نے تخیل میں چاہا ہے ــــ یہی تمہاری زندگی ہے۔ یہ ہی
تمہاری روح ہے ــــ یہی تمہیں آباد کرے گی ــ تمہارے اجڑے
چمن میں یہی بہار بن کر آئی ہے۔
مگر ــ کونے سے اس کی شرافت نے سر اٹھایا۔
وہ تم پر اعتماد کر کے اس گھر میں ٹھہری ہے ــــ کیا تم دوبارہ اپنی
پرانی زندگی کی طرف مائل ہو جاؤ گے ــــ ایسا سوچنا بھی مت ــــ نہ
جانے وہ کون ہے۔ شادی شدہ ہے ــــ نہیں وہ شادی شدہ نہیں ہو سکتی
پر تم کیوں سوچتے ہو۔ کیا تم اس لئے اس سے ہمدردی کر رہے ہو۔
نہیں نہیں ــ میں ایسا نہیں کروں گا ــ بالکل نہیں ــــ اگر
واقعی میرے اجڑے چمن میں بہار بھی بن کر آگئی ہے تو میں اسے چپکے چپکے
چاہوں گا۔ بتاؤں گا بھی نہیں۔
ســرکار ــ! شبراتی نے اسے ہڑبڑا دیا۔
کیا ہے ــ؟ وہ خود بھی گھبرا گیا۔
یہاں آیئے۔
وہ بھاگا بھاگا ہوا گیا ــ لڑکی بری طرح سر پٹک رہی تھی۔ اس نے فوراً

ایک دوا کو کپ میں انڈیلا اور لڑکی کو ہاتھ کا سہارا دیکر اٹھایا۔

لڑکی نے دوا پی۔ اور اپنی سرخ سرخ آنکھیں کھولیں۔ ایک لمحے تک وہ فیصل کو دیکھتی رہی پھر جیسے یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

آپ آرام کریں۔ فیصل میٹھی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

وہ تکیے پر سر رکھ کر لیٹ تو گئی لیکن وہ حیرت میں ضرور تھی۔ پھر اس اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور سو گئی۔

فیصل کچھ دیر بیٹھا رہا پھر اٹھ کر آ گیا۔ شبراتی وہیں بیٹھا تھا۔

سرکار آپ نے کھانا نہیں کھایا۔ فیصل کا خانساماں ڈرائینگ روم میں آکر ادب سے بولا۔

اوہ! اب کیا کھانا کھاؤں گا۔ البتہ چائے لے آؤ۔

بیرا چائے لے آیا۔ فیصل گرم گرم چائے پیتے ہوئے آپ ہی آپ مسکرا رہا تھا۔

باہر شام گہری ہو رہی تھی شبراتی نے دروازے سے جھانکا۔

کیوں شبراتی ۔۔؟ فیصل نے پوچھا۔

سو رہی ہیں ابھی تک ۔۔ !" شبراتی نے جواب دیا۔

اچھا تم اب آجاؤ کچھ دیر میں بیٹھتا ہوں۔ فیصل اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

لڑکی کروٹ بدلے اب تک سو رہی تھی۔

فیصل کرسی پر بیٹھ کر میگزین دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد لڑکی کی آنکھ کھلی تو اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اب وہ پورے ہوش و حواس میں تھی۔ کمرہ، پلنگ دیکھ کر اسے یاد آگیا کہ وہ گر پڑی تھی — اسے چکر آگیا تھا اور ساتھ بخار بھی تھا اس نے گردن موڑ کر دیکھا کرسی پر بیٹھا فیصل میگزین دیکھ رہا تھا۔ وہ جھینپ گئی اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ آہٹ سے فیصل چونک اٹھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہ اٹھ کر بیٹھ رہی تھی۔

آں ہاں.... آپ اٹھئے نا — ڈاکٹر منع کر گیا ہے۔

جی نہیں — اب میں بالکل ٹھیک ہوں وہ شرماتے ہوئے بولی

اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔؟ فیصل نے آہستہ سے پوچھا۔

جی.... مجھے افسوس ہے کہ آپ کو میری وجہ سے زحمت ہوئی۔

آپ زیادہ باتیں نہ کیجئے اور لیٹ جائیے۔ فیصل اسی انداز میں کہنے لگا۔

لیکن لڑکی کمبل گھٹنوں پر اوڑھے بیٹھی رہی۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ کا پردہ قائم نہ رہ سکا — دراصل آپ بے ہوش ہوگئیں۔ شبراتی گھبرا گیا — اور پھر میں بھی.... اسے اپنا وقار قائم رکھنے کے لئے الفاظ نہ مل سکے۔

لڑکی چپ رہی۔

آپ کو ناگوار تو گزرا ہوگا — فیصل کے لئے اس کی خاموشی تکلیف دہ تھی۔

جی نہیں . . . لڑکی گھبرا کر کہنے لگی۔

فیصل اٹھ کر کپ میں دوا انڈیلنے لگا۔ اور پھر کپ بڑھا کر کہنے لگا — لیجئے دوا کا وقت ہو گیا — !

لڑکی کا رنگ گلنار ہو گیا — اس نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے کپ تھام لیا — دوا پیتے ہوئے اس کا منہ ذرا سا بن گیا۔ فیصل نے پانی دیا۔

وہ پانی پی کر بولی۔

آپ کو تکلیف دی میں نے ۔

آپ بہت ہی تکلف پسند واقع ہوئی ہیں۔ پہلی بار فیصل نے ایک ایسا فقرہ کہا۔

آپ بھی نہ جانے میرے بارے میں کیا کیا سوچتے ہوں گے۔ لڑکی کے لہجے میں اداسی ٹپک آئی۔

جی نہیں — میں نے تو کچھ بھی نہیں سوچا — آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ فیصل بے پرواہی سے کہنے لگا۔

پھر بھی — ایک ایسی لڑکی جو رات کی ویرانی میں گھر سے بھاگ کر آئی ہو اس کے بارے میں کیا سوچا جا سکتا ہے۔

یہی کہ ضرور کوئی ایسی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا ہے جس نے اس طوفانی رات میں گھر سے نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ فیصل درمیان میں بولا۔

جی ہاں ! درست فرماتے ہیں آپ — لڑکی آہستہ سے کہنے لگی۔

اچھا اب آپ آرام کیجئے میں ڈاکٹر سے آپ کے کھانے کے لئے پوچھوں۔
فیصل اٹھتا ہوا بولا ــــ وہ خاموشی سے لیٹ گئی۔
فیصل نے ڈاکٹر کو فون کر کے مریضہ کے کھانے کے لیئے دریافت کیا۔ اور پھر خانساماں کو بلا کر بتایا کہ ساگو دانہ لذیذ سا بنا کر لائے۔
فیصل دوبارہ کمرے میں آکر بولا ــــ ڈاکٹر نے فی الحال ساگودانہ بتایا ہے ــ!
لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا۔
فیصل ایک بار پھر خفت مٹانے کیلئے الفاظ ڈھونڈنے لگا۔
میرا اس کمرے میں بیٹھنا ضرور آپ کو ناگوار گورا ہوگا۔ خیر میں اُس کمرے میں چلا جاتا ہوں۔ مگر للّٰہ اپنی صحت کا خیال کیجئے اور پچھلی باتوں کو بھولنے کی کوشش کیجئے۔
لڑکی پھر اٹھ کر بیٹھ گئی ــ آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔ تشریف رکھئے مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں ــــ! اس نے محسوس کیا کہ نہ جانے میرا محسن کیا سمجھا ہے کہ میری پچھلی باتیں کیا ہوں گی ــ اس لئے اسے بتا دینا چاہیئے کہ میں نے کیوں گھر چھوڑا۔
فیصل بیٹھتا ہوا بولا ــ میرا خیال تھا آپ کچھ آرام کرتیں۔
دیکھئے جناب۔ میرے دل پر جو بوجھ ہے وہ مجھے کبھی آرام نہ لینے دیگا۔ مجھے تب ہی چین آئیگا جب میں آپ کو اپنے حالات بتا دوں گی۔ اگر آپ [illegible] نہ ہوں ــــ آپ ہی میرے محسن ہیں ــ! لڑکی رک رک کر

کہہ رہی تھی۔

فرمایئے۔۔۔! مجھے تو صرف آپ کے آرام کا خیال تھا۔ فیصل کرسی پر ٹیک لگاتے ہوئے بولا۔ حالانکہ اسے خود بڑا تجسس تھا کہ وہ یہ کس طرح معلوم کرسکے کہ یہ لڑکی کیوں گھر چھوڑ آئی اور کئی خیال اس کے دل میں آئے تھے۔

لڑکی تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور اس کے خوبصورت لبوں کو جنبش ہوئی۔

میرا نام شمائلہ ہے!

فیصل چونک سا گیا۔۔۔ نام رکھنے والے نے کتنی مطابقت سے یہ نام چنا تھا۔

شمائلہ۔ وہ عقیدت سے دیکھنے لگا۔ واقعی اس میں موزوں کا سا تقدس تھا۔ شمائلہ اداس آنکھوں سے اپنی داستان فیصل کو سنانے لگی

میں پیدا ہوتے ہی بدنصیب تھی۔ میرے پیدا ہوتے ہی میرا باپ اس دنیا سے اٹھ گیا۔ تب میری ماں مجھے اپنے میکے لے آئی۔

ماں کے میکے میں صرف ماموں، ممانی اور ان کے ڈھیر سارے بچے تھے۔ میری ماں سارا دن نوکروں کی طرح کام کرتی اور مجھے پالتی رہی۔ چونکہ وہ جوان تھی۔۔۔۔ ماموں نے اسے مجبور کیا کہ وہ عقد کرلے۔ لیکن ماں نہ مانی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ممانی اور ماموں ماں کے دشمن ہو گئے۔ اور ہماری حالت اس گھر میں بد سے بدتر ہوتی گئی۔ آخر ایک دن ماں مجھے لیکر علیحدہ ہو گئی۔

میں اسکول جایا کرتی تھی۔ اور وہ کپڑے سی سی کر میرا خرچ چلاتی گئی سال بیت گئے۔ میری ماں بوڑھی ہوگئی اور ساتھ ہی ساتھ بیمار رہنے لگی۔ ماموں نے ہمیں بالکل نہ پوچھا۔ ماں کو ہر وقت میرا ہی فکر رہتا۔ میں میٹرک میں پڑھ رہی تھی۔ وہ مجھے دیکھ دیکھ کر روتی اور ہر وقت نصیحتیں کرتی۔ اس کا ارادہ تھا کہ میں پڑھ کر اسکول میں نوکری کر لوں۔ ایک دن میں اسکول میں تھی کہ ہماری ہمسائی دوڑی ہوئی آئی۔ اس سے پتہ چلا کہ ماں کی حالت بہت خراب ہے۔ میں روتی ہوئی گھر پہنچی ـــ تو میری ماں آخری سانس لے رہی تھی۔

شمائلہ ماں کا ذکر کرتے ہوئے بری طرح رو دی۔ آنسو تسبیح کے ٹوٹے دانوں کی طرح اس کی جھولی میں گر رہے تھے۔

فیصل بھی بہت متاثر نظر آتا تھا.... شمائلہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

ماں نے آخری وقت مجھ سے وعدہ لیا کہ چاہے جو کچھ بھی ہوگا میں زندہ رہوں گی۔ ہمت کروں گی اور خودکشی کا کبھی خیال دل میں نہ لاؤں گی۔ بلکہ حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کروں گی اور اپنی عزت کی حفاظت کروں گی۔

میں نے روتے ہوئے ماں کی آخری خواہش پوری کر دی اور اسطرح چاہنے والی ماں مجھے چھوڑ گئی۔ مجھے کچھ پتہ نہ چل رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے کیا نہیں۔ ماموں کو بھی پتہ چل گیا تھا۔ وہ روتے ہوئے آئے مجھے سینے سے لگایا ممانی مجھے لپٹا کر روئیں۔ ماں کو سپرد خاک کر دیا گیا اور مجھ سے وہ گھر بھی چھوٹ گیا

جہاں میں نے اور میری ماں نے اپنی عمر گزاری تھی۔ ماموں مجھے اپنے گھر لے آئے
ان ظالموں نے میری تعلیم چھڑا دی اور اپنی ماں کا پورا سوگ بھی نہ منانے دیا کہ
کام میں جت دیا ۔۔۔ میں سارا سارا دن ان کی خدمت کرتی رہی۔ آدھی آدھی
رات تک کام کرتی رہتی اور تنہائی میں رویا کرتی۔

ان ہی دنوں ممانی کے ایک دور کے خالو وہاں آگئے۔ خالو صاحب
تقریباً پچھتر سال کے ہوں گے۔ لڑکیاں ان کی ممانی کے برابر تھیں۔ پیسہ اور جائیداد
بہت تھی۔ بیوی مر چکی تھی۔

خالو صاحب نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ میں اسے اپنے باپ کے برابر سمجھتی تھی
لیکن وہ بڈھا خبیث نہ جانے کیا ارادے رکھتا تھا۔ ممانی کو جب اس نے
اپنا ارادہ بتایا تو ممانی کی باچھیں کھل گئیں۔

یہ ذکر کرتے ہوئے شمائلہ کی آنکھیں حیا سے جھکی جا رہی تھیں۔ اور
فیصل اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اشتیاق سے پوچھا۔ پھر؟
شمائلہ بری طرح جھینپ گئی۔

پھر ممانی اور ماموں کو نہ جانے کیا لالچ دیا۔ ویسے میں نے سنا تھا
کہ اپنی گاؤں والی زمین دینے کا فیصلہ کیا تھا کہ وہ دونوں مان گئے۔ بس
تیاریاں ہونے لگیں۔ میں نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اور دن رات کوٹھری میں
گھسی رہتی۔ رو رو کر میرا برا حال ہو گیا تھا۔

اگر ماں نے منع نہ کیا ہوتا تو میں خودکشی کر لیتی۔ اور ایک رات جب کہ
گھر میں ڈھولک بج رہی تھی میں بستر کی چادر اوڑھ کر باہر نکل آئی۔

اور شہر آنے والی سڑک پر ہولی۔ اس دن خدا کو مجھ پر رحم آیا بارش اور طوفان بھی بہت تھا۔ جب میں شہر پہنچی تو ہاں والی ایک دوکان پر دو آدمی کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ میرے پیچھے ہو لئے۔ مجھے ان سے بچنا مشکل ہو گیا۔ وہ ایسے تیز طوفان میں میرا پیچھا کئے جا رہے تھے۔ میں چھپتی چھپاتی بھاگی آ رہی تھی۔ اگر آپ وہاں نہ پہنچتے تو نہ جانے کیا ہوتا۔

وہ کانپ سی گئی۔

بہت ظلم ہوا آپ کے ساتھ۔ فیصل چونک کر بولا۔

کچھ دیر تک وہ دونوں باتیں کرتے رہے۔ خانساماں ساگودانہ لے آیا۔ اور فیصل اپنے کمرے میں چلا گیا۔

کھو سی جاتیں ہیں تو خیال آتا ہے
ان میں پنہاں تیری آنکھوں کا اشارہ تو نہیں

فیصل کی رات شمائلہ کے بارے میں سوچتے ہی گزری تھی۔ صبح وہ بیدار ہوا تو شبراتی نے بتایا کہ وہ بی بی تو صبح کی اٹھ چکی ہیں۔ آپ کو پوچھ رہی تھیں۔
فیصل مسکراتا ہوا غسل خانہ کی طرف چلا گیا۔ واپس آ کر اس نے شبراتی سے کہا کہ میرا ناشتہ بھی اسی کمرے میں پہنچا دیا جائے۔
جوں ہی اس نے شمائلہ کے کمرے میں قدم رکھا وہ اپنی چادر کو ٹھیک کر رہی تھی۔
میں آ سکتا ہوں — فیصل نے پوچھا۔
تشریف لائیے —! شمائلہ کھڑی ہو گئی۔
بیٹھئے —! فیصل کرسی گھسیٹتے ہوئے کہنے لگا۔
شمائلہ بھی سامنے ہی بیٹھ گئی۔ اس کے کپڑے نہایت بوسیدہ تھے نیلی چھینٹ کی پھولدار قمیض، سفید شلوار اور سفید چادر۔

فیصل کو احساس ہوا۔ وہ کہنے لگا — آج آپ شبراتی کے ساتھ جاکر اپنے لئے کچھ کپڑے لے آیئے۔

جی نہیں —! میں تو جارہی ہوں۔ شمائلہ آہستہ سے کہنے لگی۔

جارہی ہیں! — کہاں —؟ فیصل کے سر پر جیسے کسی نے ہتھوڑا مار دیا تھا۔

جی — بس — مجھے یاد آگیا ہے کہ عارفہ کوئٹہ میں رہتی ہے۔ اس کے میاں کا نام مجھے یاد نہیں آرہا تھا لیکن اب یاد آگیا ہے۔ اس کے میاں کا نام نثار ہے۔ اور وہ ریلوے میں ملازم ہے اس کا پتہ چل ہی جائیگا۔

مگر آپ نے اتنی جلدی فیصلہ کیوں کر لیا ہے —؟ فیصل جیسے بڑی دور سے بول رہا تھا۔

میں آپ کو زیادہ تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں —! شمائلہ نظریں جھکا کر کہنے لگی۔

دیکھئے۔ آپ کے رہنے سے مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ آپ تنہا کہیں جانے آنے کا فیصلہ نہ کریں — میں خود آپ کو پہنچا دوں گا۔ جب آپ اچھی طرح ٹھیک ہو جائیں گی۔ فیصل کو الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

آپ کا وقت ضائع ہوگا — ہاں! ایک تکلیف دوں گی آپ کو۔ وہ معصومیت سے کہنے لگی۔

فرمایئے —! فیصل کا لہجہ اداس تھا۔

آپ مجھے تقریباً چالیس روپے قرض دے دیں — وہ یہ وہاں پہنچ کر آپ کو واپس بھیج دوں گی — وہ رکتے رکتے کہنے لگی۔

باوجود غم کے فیصل کو ہنسی آ گئی۔ اور شمائلہ بھی کانوں تک سرخ ہو گئی۔
دیکھئے میں آپ کو فی الحال جانے نہ دوں گا۔! فیصل نے کہا۔
شمائلہ چپ سی ہو گئی۔
کچھ دن کے بعد چلیں گے ـــ مجھے کچھ کام ہے۔ وہ کریوں بھر میں
آپ کو پہنچا آؤں گا ـــ! فیصل نے کہا۔
شبراتی ناشتہ وہیں لے آیا۔ شمائلہ کو فیصل نے شامل کر لیا۔
وہ دونوں ناشتہ کرنے لگے۔
ناشتہ کے بعد فیصل نے کہا۔
دیکھئے مس شمائلہ شبراتی سے کہئے میری لائبریری آپ کو کھول دے۔
آپ اپنا جی وہاں بھی بہلائیے ـ میں کچھ دیر بعد آؤں گا۔
فیصل اسٹوڈیو چلا گیا اور شمائلہ مختلف کمرے دیکھنے لگی ـــ وہ
ایک ایسی لڑکی تھی جس کی تمام عمر دکھوں میں گزری تھی اور جس نے اس کی زندگی
میں داخل ہو کر چاہا وہ ایک ایسا شخص تھا جس کو وہ کبھی بھی اپنے دل میں
جگہ نہ دے سکتی تھی بلکہ اس سے تو اسے نفرت تھی۔ اور اب فیصل کو دیکھ کر
وہ کھو سی گئی تھی ـــ حسین ـ خوبصورت، جوان اور شریف بھی ـــ
اس کی شرافت نے اس کے دل میں بڑا اثر کیا تھا ـــ اور پگلی شمائلہ نے نہ
چاہتے ہوئے بھی فیصل کو دل میں بٹھا لیا تھا۔ لیکن اپنی محرومیوں اور قسمت
سے اسے ڈر تھا ـــ کہاں وہ اور کہاں فیصل۔
کیا فیصل بھی مجھے چاہ سکتا ہے ـ اس کے ذہن میں خیال آیا۔

نہیں ۔ وہ مجھ سے صرف ہمدردی رکھتا ہے ۔ میرے حالات سنکر اسے مجھ پر رحم آتا ہے ۔ اور کیا ہو سکتا ہے ۔ پھر وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی کہ وہ کیسے خیال دل میں لا رہی ہے ۔

فیصل کی لائبریری بڑی ہی خوبصورت تھی ۔ وہ کتابیں دیکھنے لگی ۔ سب سے پہلے اس کے ہاتھ میں ایک کتاب آئی ۔

" گیت یہ میرے " ۔ وہ دیکھنے لگی اور پھر اس کو پڑھنے کے لئے لے آئی ۔ پلنگ پر لیٹ کر وہ کتاب میں کھو گئی ۔ کتاب اسے بہت پسند آئی ۔ اور اس طرح تین گھنٹے گزر گئے ۔ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ فیصل کب کمرے میں داخل ہوا ہے ۔ اور فیصل بھی اس کی محویت کو توڑنا نہ چاہتا تھا ۔ وہ چپ چاپ کرسی پر بیٹھ گیا ۔ اس کی نظریں حسن کی اس تصویر پر جمی ہوئی تھیں ۔

کچھ دیر بعد جب وہ ورق پلٹنے لگی تو اس کی نظر فیصل پر پڑی اور گھبرا کر اٹھ بیٹھی ۔

آپ ۔ آپ کب تشریف لائے ۔ وہ دوپٹہ ٹھیک کرتی ہوئی کہنے لگی ۔

کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی ۔ فیصل نے جواب دیا اور ساتھ ہی کچھ بنڈل شائلہ کی طرف بڑھا دیئے ۔

یہ کیا ۔ ؟ شائلہ کی حیرت بڑھ گئی ۔

یہ کچھ کپڑے ہیں ۔ ساڑیاں وغیرہ

اوہ ! ۔ مگر میں انہیں کیسے لے سکتی ہوں ۔ وہ تذبذب کی حالت میں بولی :

لے کیوں نہیں سکتیں، لے لیجئے۔ اس نے التجا کی
نہیں۔ یہ چیزیں میں نہیں لوں گی پہلے کیا کم تکلیف دی ہے آپ کو۔
لے لیجئے۔ ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ فیصل نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ بیٹھا۔
کچھ لمحے وہ فیصل کو ایسی نظروں سے دیکھتی رہی جن میں ایک حسرت تھی اور
پیار بھی۔ لیکن جلد ہی اس کے چہرے پر کرختگی سی آگئی۔ تب وہ جلدی سے کہنے لگی
نہیں فیصل صاحب۔ یہ چیزیں میں نہیں لوں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔
فیصل کا چہرہ کچھ پھیکا سا پڑ گیا۔ اور وہ چپ چاپ ان بنڈلوں کو
گھورنے لگا جو اب بھی اس کے ہاتھ میں تھے۔ اسی لمحے وہ یوں اٹھا جیسے
ہارا ہوا جواری محفل سے اٹھ کر جاتا ہے۔ بنڈل اس کے ہاتھ سے گر گئے
اور وہ اپنے کمرے میں جا کر کرسی پر گر گیا۔
شمائلہ پر اس کے جانے کا اتنا اثر ہوا کہ وہ رو پڑی۔ شاید
فیصل بھی مجھے چاہنے لگا۔ کتنی التجا سے کہا تھا اس نے۔ لے لیجئے،
ورنہ میرا دل ٹوٹ جائیگا۔ اور میں نے کتنی بے دردی سے اس کا دل
توڑ دیا۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے کھڑکی کے پیچھے کھڑی
ایک دوسری شمائلہ اس سے کہہ رہی ہے۔
پگلی۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اگر تو یہ چیزیں لے لیتی تو کیا تھا۔
وہ تیرا محسن بھی تو تھا۔ اور تو اس بات سے انکار نہیں کر سکتی کہ تو اسے
چاہتی ہے۔ تو اس سے محبت کرنے لگی ہے۔ پھر تو نے ایسا کیوں کیا۔
نہیں نہیں۔ شمائلہ کے لب کپکپانے۔ میں اپنی بدنصیبی کو کیسے بھول سکتی ہوں

— وہ کون ہے — اور میں کیا ہوں — میں یہ بھی تو نہیں بھول سکتی۔ اور اسی لئے میں نے اس کا دل توڑ دیا — تاکہ چنگاریاں سلگنے سے پہلے ہی بجھ جائیں۔

یہ چنگاری تو اپنے دل سے بھی بجھا سکے گی —؟ کھڑکی کے پیچھے کھڑی ہوئی شمائلہ چیخی۔

وہ اب چنگاری نہیں رہی ... شمائلہ کی آواز بھرا گئی — وہ تو شعلہ بن چکی ہے۔ اور میں تو اس شعلہ کو کبھی نہ بجھنے دوں گی۔ یہ بھڑک بھڑک کر ایک دن مجھے جلا کر خاکستر کر دے گا تو میں اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی۔

کیا تو اس دنیا میں اس لئے آئی ہے۔ کھڑکی کے پیچھے والی شمائلہ طنزیہ مسکرائی کہ دنیا میں دکھ اٹھائے — جا دیوانی ... اٹھ جا کر اپنے محبوب کو منالے۔ جا اٹھ..

نہیں نہیں — میں نہیں جاؤں گی۔ شمائلہ کانپ سی گئی۔

جا ... اٹھ ... جا ورنہ اس گھڑی کو رد نے گی ... اٹھ

اور سچ مچ شمائلہ پلنگ سے اٹھ کر فیصل کے کمرے کی طرف چل دی۔ پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر اس نے دیکھا کہ فیصل ستار بجا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ وہ پلٹ کر واپس آنے لگی تو اس کی ٹکر شبراتی سے ہو گئی۔

شبراتی کا لہجہ غمگین تھا۔ اور اس کی آنکھیں چھلکنے والی تھیں۔

کیوں بابا —! شمائلہ حیرت میں تھی۔

آج صاحب کا جی بہت برا ہے۔ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولا۔

درد ـــ! کیسا درد ـ؟

جب صاحب کو بہت زیادہ غم ہوتا ہے تو وہ یوں ہی ستار بجاتے ہیں۔ پوری پوری رات گزر جاتی ہے۔

اچھا ـــ! شمائلہ کانپ سی گئی۔ اور پھر وہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ میں بھی کتنی گناہگار ہوں۔ ستار کی آواز اس کے کانوں کو چیر رہی تھی۔ اب وہ بہت ہی تیز ہو گئی تھی۔ شمائلہ کو یوں لگا جیسے ان نغموں میں فیصل کی روح سسک رہی ہے۔ وہ جلدی سے بنڈل کھولنے لگی۔ اس میں سے سفید ساڑھی اور سفید بلاؤز نکال کر جلدی جلدی پہنا اور انگلیوں سے اپنے بال ٹھیک کرتے ہوئے فیصل کے کمرے کی طرف بھاگی۔

فیصل دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔ البتہ اس کے ہاتھ چل رہے تھے۔ شمائلہ جاکر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور پھر اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا ـــ فیصل زور سے چیخا ـــ چھوڑ دو مجھے ـــ لیکن جونہی اس کی آنکھیں کھلیں وہ حیرت سے دیکھنے لگا۔

تم شبراتی .... نہیں ـــ تم ... شمائلہ ...

ہاں ... میں شمائلہ ہوں ـــ مجھے معاف کر دیجئے ... فیصل کی انگلیوں سے خون ٹپک رہا تھا اور شمائلہ کی انگلیوں کو تر کر رہا تھا۔ وہ بری طرح چونک اٹھی ـــ اور پھر بھاگی ہوئی باہر گئی۔

بابا ـــ وہ ان کی انگلیوں سے خون .... وہ گھبرا کر کہنے لگی۔

یہ لو بیٹی ـــ میں خود ہی لا رہا تھا۔ شبراتی نے ایک شیشی اور پٹیاں

شمائلہ کی طرف بڑھائیں۔ پٹیاں لیکر وہ پھر بھاگی۔ اس لئے فیصل کو کچھ ہوش آچکا تھا۔ شمائلہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اسے اپنی لائی ہوئی ساڑھی میں دیکھ کر مسکرایا کتنی ظالم ہے یہ لڑکی۔ کبھی رلاتی ہے اور کبھی ہنساتی ہے۔ شمائلہ کو قریب دیکھ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ شمائلہ پاس ہی بیٹھ گئی اور پھر آہستہ سے اس نے فیصل کا ہاتھ تھام لیا۔ گوایسا کرتے ہوئے وہ کانوں تک سرخ ہوگئی تھی اور ہاتھ کانپ رہے تھے۔ لیکن فیصل کو آج یوں محسوس ہورہا تھا جیسے تمام جہان کی خوشیاں اور مسرتیں صرف اسی کا حصہ ہیں۔

شمائلہ اپنے نازک ہاتھوں سے اس کے ہاتھوں کا خون صاف کرنے لگی اور پھر دوا لگاکر پٹی باندھنے لگی۔ جب وہ پٹی باندھ چکی تو ہاتھ اپنی ہتھیلی پر خواہ مخواہ ہی رکھ لیا۔ دراصل وہ سمجھ رہی تھی کہ فیصل ابھی تک بیہوش ہے۔ لیکن اسی لمحہ جب فیصل نے آنکھیں کھول دیں تو

وہ بری طرح جھینپ گئی اور ہاتھ چھوڑ دیا۔ فیصل مسکراکر اسے دیکھتا رہا۔ اور وہ نیچی نگاہیں کئے اپنے پلو کو انگلیوں میں گھماتی رہی۔ آخر وہ فیصل کی نظروں کی تاب نہ لاکر کمرے سے بھاگ گئی۔ فیصل اسے جاتے دیکھ کر بے ساختہ ہنس دیا۔ اس کی ہنسی شمائلہ نے بھی سن لی تھی۔ اور شبراتی نے بھی۔ بوڑھا شبراتی بھی ہنس دیا۔ اور فیصل کی مسکراہٹ تو جانے کا نام نہ لیتی تھی۔

❖ ❖ ❖

چلتے چلتے جو قدم آپ ٹھٹھک جاتے ہیں
سوچتی ہوں کہیں تو نے پکارا تو نہیں ہے

اس وقت کیا پڑھ رہی تھیں۔ رات کھانے کی میز پر فیصل نے جھینپی جھینپی سی شمائلہ سے سوال کیا۔

گیت یہ میرے ـــ!

کیسی تھی ـــ؟

بڑی اچھی تھی.... مجھے بہت پسند آئی۔

وہ اس وقت نیلی ساڑھی میں تھی۔ فیصل اسے تیکھی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ جھینپ مٹانے کے لئے جلدی جلدی کھانا کھا رہی تھی۔

آج آپ کو بھوک بہت لگی ہے ـــ فیصل مذاق کے موڈ میں تھا۔

جی ـــ! وہ صرف نظریں اٹھا کر رہ گئی۔

آپ کو گھما لائیں کہیں ـــ؟ فیصل نے دوبارہ سوال کیا۔

جی نہیں ـــ میں سونا چاہتی ہوں۔

کیوں نیند آرہی ہے کیا ؟
اگر نہیں آرہی ہے تو آجائے گی۔!
ہمیں تو شاید آج نیند نہ آئے۔ فیصل کرسی سے ٹیک لگائے ہوئے
کہنے لگا۔
کیوں ۔؟
آپ نہیں جانتی کیا ۔؟
دیکھئے اگر آپ نے ایسی باتیں کیں تو ۔۔ میں کھانا نہیں کھاؤنگی۔
ابھی جناب نے کچھ نہیں کھایا۔؟ فیصل اس کی بات پر ہنس دیا۔
وہ شرما گئی۔ اور اٹھ کر ہاتھ دھونے لگی۔
چلئے نا ۔۔ آپ کو گھما لائیں۔
جی نہیں ۔۔ میں کہیں نہیں جایا کرتی ۔ میں تو اب سوؤں گی۔
آپ کی مرضی ۔!
اور وہ شرارت سے دیکھتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اسی لمحے فیصل
کو زیدی کا فون آگیا۔
یار ابھی پہنچو ۔!
وہ کیوں ۔؟
بہت ضروری ریکارڈنگ کرنی ہے۔
ارے بھئی ایسی بھی کیا جلدی ہے۔
تم نہیں جانتے ۔۔ میں چاہتا ہوں پرسوں فلم ریلیز ہو جائے۔ ایک

طرف تو بیک راؤنڈ میوزک شروع کروا دیا ہے اور وہ آخری گانا ابھی رہتا ہے۔

پہلے والا گانا کیا ہوا ——؟

وہ ٹھیک نہیں تھا۔ اس میں شہنائی کی آواز بری لگتی ہے۔

اچھا پھر میں ابھی آیا۔

تھینک یو ویری مچ۔

رسیور رکھ کر شمائلہ کے کمرے میں گیا۔

وہ سونے کی تیاری میں تھی۔

دیکھئے میں اسٹوڈیو جا رہا ہوں۔

اس وقت ——!

ہاں! ضروری ریکارڈنگ ہے۔ دو بجے تک آجاؤں گا۔

جائیے ——! وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

اور فیصل اسے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

نیند کا تو یونہی بہانہ تھا۔ وہ اٹھ بیٹھی اور دل ہی دل میں فیصلہ کرنے لگی چاہے کچھ بھی ہو وہ فیصل کو نہیں کھوئے گی۔

کچھ دیر یونہی بیٹھی رہی پھر اٹھ کر باہر چلی آئی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ چاندنی بھی نکھری ہوئی تھی۔

وہ برآمدے کے ستون سے لگ کر بیٹھ گئی۔ کتنا سکون بخش رہا تھا اسے یہ ماحول اور ساتھ فیصل کی یاد —— وہ بھول کر بھی بیتے دنوں کا تصور کرنا نہ چاہتی تھی۔ وہ بھی زندگی تھی اور یہ بھی زندگی —جو کتنی حسین ہے۔

کتنی لطافت ہے اس میں ۔۔ اگر ماں ہوتی تو کتنا خوش ہوتی کہ اس کی بیٹی کا ساتھی کتنا حسین ہے اور ساتھ ساتھ مسرت بھی ایسی کہ توبہ۔!

دور گھڑی نے دو بجائے۔ اس کی نظریں گیٹ کی طرف لگ گئیں کچھ ہی دیر بعد سڑک پر روشنی نمودار ہوئی۔ اور پھر چوکیدار نے گیٹ کھولا فیصل اندر آیا۔ کار سے اتر کر وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ شمائلہ ستون سے لگی اسے دیکھتی رہی۔ اور پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ پلنگ پر ابتک وہ ناول پڑا تھا۔ وہ پھر اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی کتنی پیاری تحریر ہے اس مصنفہ کی۔ کتنا درد ہے۔ کتنا سوز ہے۔ نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ یکایک اسے کسی کے گانے کی آواز آئی۔ وہ دوبارہ باہر نکل آئی۔ فیصل کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ ایک کھڑکی کے شیشے سے اندر جھانکنے لگی۔ فیصل پلنگ پر لیٹا گا رہا تھا۔ نغمہ خوشی کا تھا اور وہ خود بھی جھوم رہا تھا۔ وہ بہت خوش معلوم ہو رہا تھا اس وقت۔

باہر شمائلہ بھی جھوم گئی ۔۔ کتنی اچھی آواز ہے فیصل کی ۔۔ کتنا اثر ہے اس میں ۔۔ آج یہ گیت مچل رہے ہیں۔ کتنے سہانے گیت ہیں یہ۔ فیصل کے گیت اس کے جذبات کی ترجمانی کر رہے تھے۔ اور جب فیصل کروٹ بدل کر سو گیا تو وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

* * *

تجھ کو خبر نہیں مگر اک سادہ لوح کو
برباد کر دیا ترے دو دن کے پیار نے

مس شمائلہ — !

جی — ؟

آج پھر میں نے اسٹوڈیو جانا ہے آپ بور تو نہیں ہوں گی۔

جی نہیں۔

مس شمائلہ — !

فرمایئے — ؟

ایک بات کہوں، برا تو نہیں منائیں گی آپ — ؟

نہیں — !

میں .... میں — ! اچھا چھوڑیئے۔

بتایئے نا — ؟

میں — میں چاہتا ہوں کہ اب شادی کر لوں — یہ تنہائی اب مجھے

اچھی معلوم نہیں ہوتی۔

جی ـــ! شمائلہ شرما گئی۔

آپ نے جواب نہیں دیا۔

کر لیجئے ـــ! وہ شرمائی ہوئی آواز سے کہنے لگی۔

کروں گا تو سہی ـــ لیکن کس سے کروں ـــ فیصل تیکھی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

جی! جس سے آپ کا دل چاہے۔! وہ رکتے ہوئے بولی۔

جس سے میرا جی چاہے۔ وہ تو ٹھیک ہے اس کا بھی تو جی چاہے ـــ!

کس کا ـــ؟ شمائلہ گھبرا سی گئی۔

وہی جس سے میرا جی چاہے۔ فیصل نے جلدی سے بات بنائی۔

اوہ ـــ!

آپ پھر چپ ہو گئیں ـــ بتائیے نا ـــ!

میں بھلا کیسے کسی کے جی کی بات جان سکتی ہوں ـــ وہ بولی۔

فیصل اس کے لہجے پر بری طرح ہنس دیا۔

آپ ہنس کیوں رہے ہیں ـــ؟ وہ جھینپ سی گئی۔

اس لئے کہ اپنی جنس کے متعلق ـــ میرا مطلب ہے کہ ان کی نفسیات کا ذرا بھی تجربہ نہیں رکھتیں ـــ!

میں کسی کے متعلق کیا کہہ سکتی ہوں ـــ وہ آہستہ سے بولی

اپنے متعلق تو کہہ ہی سکتی ہیں۔! وہ بے اختیار کہہ ہی گیا۔
وہ صرف نظریں اٹھا کر رہ گئی ۔ اور پھر اس کی نظریں خود بخود جھک گئیں
آپ کو اسٹوڈیو بھی تو جانا ہے۔ وہ صرف یہ ہی بات بنا سکی۔
اچھا تو پھر اسٹوڈیو سے آکر باتیں ہوں گی ۔ ایک بات اور کہنا
چاہتا ہوں تاکہ آپ اس عرصہ میں سوچ لیں۔
وہ نظریں اٹھا کر دیکھنے لگی۔
مس شمائلہ ۔ نہ جانے کیوں جب سے آپ اس گھر میں آئی ہیں مجھے
اس گھر سے انس ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ میری زندگی کی ساتھی
بن جائیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ کو کبھی کوئی دکھ نہ پہنچے گا۔ آپ اچھی
طرح سوچ لیں۔ آپ کو ہر طرح کے فیصلے کا حق حاصل ہے۔!
اور شمائلہ کو یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے کانوں میں کئی سریلے
ساز بج اٹھے ہوں۔ اس کا سر جھک گیا۔ فیصل مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔
اور وہ مسرت سے سرشار وہیں بیٹھی رہی۔
اس نے سوچ لیا تھا کہ کہہ دوں گی ہاں میں تمہاری زندگی کی ساتھی
بننا چاہتی ہوں۔ میں خوش قسمت ہوں کہ تم جیسا انسان میرا ساتھی بن رہا ہے۔
میں کہہ دوں گی.... میں کہہ دوں گی ۔!
وہ اٹھ کر فیصل کے کمرے میں چلی آئی ۔ کیا میں اپنی زبان سے کہہ
سکوں گی اسے ۔ نہیں لکھ کر دینا چاہیئے ۔ ہاں لکھ کر دینا ہی بہتر ہے۔
یہ سوچ کر وہ دروازے کی طرف بڑھی تاکہ کاغذ لیکر اپنے جذبات اس پر بکھیر

دے۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی نگاہوں کے سامنے ایک تصویر آگئی۔ تصویر ایک لڑکی کی تھی ــــــ وہ کانپ سی گئی ہے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے تصویر اٹھائی ـــــ پیچھے لکھا تھا۔

اپنے فیصل کی فرمائش پر

روشی

یہ کیا دیکھ رہی ہوں میں ـــــ اور پھر اس کے ہاتھ اور چیزیں ٹٹولنے لگے۔ ایک تصویر کے ساتھ ایک خط بھی اس کے ہاتھ آگیا۔ تصویر روشی کی تھی اور خط بھی روشی کا تھا۔

وہ خط کھول کر پڑھنے لگی۔ حروف اس کے سامنے ناچ رہے تھے۔

فیصل ڈیئر ــــ!

رات تم آئے۔ تم نے پیاری پیاری باتیں سنائیں اور گیت بھی سنائے فیصل میں جانتی ہوں کہ تم مجھے بہت چاہتے ہو۔ یقین کرو میرا حال اس سے بدتر ہے ـــــ تم کہتے ہو کہ میں کسی اور سے شادی کر لوں گی۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میرے دولہا تو تم ہو ـــــ صرف تم ـــــ لڑکیاں تمہاری طرف دیکھتی ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ان کی آنکھیں اندھی کر دوں۔ ان کا منہ نوچ لوں۔

اچھا فیصل آج رات آؤ گے نا ـــــ گیت بھی سناؤ گے؟ ـــــ تم نے ہمارا گھر تو بالکل چھوڑ دیا ـــــ نیا گھر کیا ہے۔ اور ہاں ماں آج کہیں گئی ہے رات کو بھی نہیں آئے گی۔ لہٰذا تمہاری رات اپنی ہی ہے۔ اچھا فیصل اب خدا حافظ۔

فقط تمہاری اپنی

روشی

خط پڑھ کر شائلہ گھبرا گئی ۔۔۔ تو فیصل کسی اور لڑکی سے بھی پیار کرتا ہے۔ اس سے بھی شادی کے وعدے کرتا ہے اور مجھ بدنصیب کی زندگی سے بھی کھیلنا چاہتا ہے۔ وہ مجھے اپنی میٹھی باتوں میں بہا کر میری عزت سے کھیلنا چاہتا ہے۔ مجھے دھوکہ دے رہا ہے۔

مگر میں ایک خوددار ماں کی لڑکی ہوں۔ میری رگوں میں بھی وہی خون ہے۔ میں مرتے دم تک اپنی ماں کی نصیحت نہیں بھولوں گی ۔۔۔ آہ ماں! میں نے تیری نصیحت بھولنا چاہی تھی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں بچ گئی۔ میں یہاں سے آج ہی چلی جاؤں گی۔

اس کے دل میں پھر امید کی ایک کرن چمکی۔ شاید یہ واقعہ پہلے کا ہو۔ اور اب تو وہ ۔۔۔ نہیں یہ واقعہ اب کا ہی ہے۔ فیصل رات کے دو دو بجے آتا ہے۔ اسٹوڈیو کا تو بہانہ ہے۔ وہ ضرور اسی لڑکی کے پاس جاتا ہوگا۔

میں آج ضرور چلی جاؤں گی ۔۔۔ وہ سسک پڑی۔

اس نے خط اور تصویر پھر اسی دراز میں رکھ دیئے اور خود اپنے کمرے میں آ گئی۔ فیصل کی دی ہوئی ساڑھیاں لپیٹ کر ایک طرف رکھیں اور سوچنے لگی کہ پیسوں کے متعلق کیا کیا جائے۔

کیا میں فیصل کو بتا کر جاؤں۔ ہاں بتا کر ہی جانا چاہیے۔ ورنہ وہ نہ جانے کیا سمجھے۔ اور آج تو وہ مجھے کہہ گئے ہیں کہ اپنا فیصلہ انہیں بتاؤں۔ میں ان پر ظاہر نہ کروں گی اور اپنا فیصلہ تسلی سے کہہ دوں گی۔

وہ نڈھال سی ہو کر پلنگ پر گر پڑی۔ کافی دیر بعد کار کے ہارن سے وہ چونکہ

تب وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ چہرہ انگلیوں سے صاف کیا بال ٹھیک کئے۔ اور بظاہر اطمینان سے بیٹھ گئی۔

فیصل اس وقت گنگناتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اتنا خوش تھا شاید کبھی زندگی میں ایسی خوشی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ آج اس نے شمائلہ سے اجازت بھی نہ لی اور آکر صوفہ پر بیٹھ گیا۔

مس شمائلہ۔!

شمائلہ نے نظریں اٹھائیں جن میں لاتعداد حسرتیں تڑپ رہی تھیں۔

یہ دیکھئے۔! فیصل ایک ڈبیہ کھولتے ہوئے بولا۔

ڈبیا میں ایک چمکتی ہوئی ہیروں کی انگوٹھی تھی۔ شمائلہ ایک لمحے کیلئے سب کچھ بھول گئی اور مسکرا دی۔

فیصل بات بات پر ہنس رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ ہنس دیا اور اسکی اس ہنسی نے ہی شمائلہ کو پہلے موڑ پر لاکر کھڑا کر دیا۔ اس نے منہ پھیر لیا۔

آپ نے میری بات کا جواب سوچ لیا۔ وہ مسرت سے سرشار کہنے لگا۔

جی ہاں۔! شمائلہ کے لہجہ میں اطمینان تھا۔

تو کیا میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھ لوں۔! فیصل کی آنکھیں کسی خوش آئند خیال سے بند ہو گئیں۔

کیا فرما رہے ہیں آپ ــــ وہ جی کڑا کر کے بولی۔

کیا فیصلہ کیا آپ نے ـــ؟ فیصل پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔

آپ نے یہ بھی تو کہا تھا کہ مجھے ہر طرح کے فیصلے کا اختیار ہے۔!

جی ہاں ـــ! فیصل اسی لہجے میں بولا۔
تو پھر مجھے افسوس ہے کہ میں اس قابل نہیں ـــ وہ انتہائی سنجیدگی سے کہنے لگی۔
یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ ـــ! فیصل چونک اٹھا۔
میں صحیح کہہ رہی ہوں ـــ اب آپ وعدہ کریں کہ مجھ سے وجہ نہ پوچھیں گے ـــ وہ تڑپ کر بولی۔
فیصل کی نظریں جھک گئیں۔ انگوٹھی اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور زبان پر جیسے تالا پڑ گیا۔
اس کی اس چپ پر شمائلہ کا دل پھر ایک مرتبہ تڑپ اٹھا.. لیکن وہ اپنا فیصلہ نہ بدل سکی۔ اور چپ چاپ اٹھ کر اپنے کپڑے [illegible] لگی۔ فیصل اسی حالت میں بیٹھا رہا۔
میں کوئٹہ جانا چاہتی ہوں ـــ وہ کمرے میں ٹہلتی ہوئی بولی۔ اس کے اس فقرے سے وہ بری طرح چونک پڑا۔
نہیں نہیں ـــ آپ یہاں سے نہ جائیے ـــ میں معافی مانگتا ہوں اگر آپ کو میری بات بری لگی ـــ لیکن خدارا یہاں سے نہ جائیے ـــ! وہ التجا کرنے لگا۔

میں اب یہاں نہیں رہ سکوں گی ـــ! شمائلہ جی کڑا کر کے بولی۔
میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ کبھی کوئی ایسی بات نہ ہوگی ـــ میں بالکل آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گا ـــ لیکن آپ کو مصیبت میں نہ پڑنے دوں گا۔

آپ یہیں رہئیے۔ میں آپ کے لئے دعا کروں گا جو آپ چاہتی ہیں ۔۔! فیصل دکھ سے کہہ اٹھا۔

آپ مجھے زیادہ مجبور نہ کریں۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں۔

اور فیصل بھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

کیا آج ہی ۔۔؟ کافی دیر بعد اس کی غمزدہ آواز ابھری۔

جی ہاں ۔۔!

فیصل چپ چاپ اپنے کمرے میں آگیا۔

اس کے جانے کے بعد جیسے بند ٹوٹ گیا تھا۔ شمائلہ جی بھر کر روئی۔ اتنی دیر سے وہ ضبط کئے ہوئے تھی لیکن اب برداشت نہ کر سکی۔ کچھ ہی دیر بعد فیصل پھر آگیا۔ ایک لمحے کے لئے وہ اس کی سرخ انگارہ سی آنکھیں دیکھ کر چونک گیا۔

آپ رو رہی تھیں ۔۔؟ وہ آہستہ سے پوچھنے لگا۔

نہیں تو ۔۔ آنسو اب بھی اس کی آنکھوں سے ابل رہے تھے۔

میں بہت ظالم ہوں مس شمائلہ ۔۔ میں نے آپکو دکھ پہنچایا ۔۔ نہ جانے میں ایسا کیوں کر بیٹھا ۔۔ آج میں سمجھا کہ مجبوری بھی کیا چیز ہے ۔۔ مجھے معاف کر دیجئے مس شمائلہ ۔۔! وہ اپنے دونوں ہاتھ ماتھے پر رکھ کر بولا۔

آپ خواہ مخواہ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں ۔۔ دکھ تو میں نے آپ کو پہنچایا ہے معافی تو مجھے مانگنی چاہئے تھی ۔۔ میں نے اپنے محسن کے ساتھ یہ بھلائی کی ۔۔! وہ جھکا چہرہ لئے آہستہ سے کہنے لگی۔

کیا آپ آج رک نہیں سکتیں — ؟ فیصل نے پھر التجا کی۔

اس سے کیا ہوگا — میں اب جانا چاہتی ہوں — !

تو خدا کے لئے میری ایک بات مان لیجئے۔

فرمائیے — ؟

میں آپ کو خود ہی چھوڑ آؤں گا۔ میں آپ کو آپکی سہیلی کے پاس خود ہی پہنچا آؤں گا تاکہ آپ کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جائیں۔

آپ کے کام میں ہرج ہوگا — وہ رک کر بولی۔

نہیں — کوئی ہرج نہیں ہوگا۔

تو پھر آج ہی چلنا ہوگا — !

جیسے آپ کا حکم — ! فیصل نے کہا اور پھر وہ تیاری کا کہہ کر باہر نکل آیا۔

تھوڑی دیر بعد کار برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی۔ شمائلہ شبراتی سے باتیں کرتی ہوئی باہر آگئی۔ بیچارے بوڑھے کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ فیصل نے کار اسٹارٹ کر دی۔ ڈرائیور آگے بیٹھا ہوا تھا اور شمائلہ پیچھے

کار اسٹیشن پر رکی — قلی نے بستر وغیرہ لیجا کر پلیٹ فارم پر رکھ دیا۔ فیصل ڈرائیور سے کہہ کر شمائلہ کے ساتھ پلیٹ فارم پر آگیا۔

شمائلہ کچھ شرمندگی سے بولی۔

آپ بہت تکلیف اٹھا رہے ہیں میری خاطر — !

وہ صرف مسکرا دیا۔

گاڑی پلیٹ فارم پر آ کر رکی تو قلی نے ان دونوں کے بستر جما دیئے اتفاق سے ڈبہ خالی ہی تھا۔ وہ دونوں چپ چاپ سے آ بیٹھے۔ جیسے کسی عزیز کی موت پر جا رہے ہوں۔ ٹرین چلی تو وہ اپنے اپنے برتھ پر یوں ہی بیٹھے رہے۔ رات کھانا پھر معمولی باتوں میں کھایا۔ اور پھر فیض اوپر کے برتھ پر چلا گیا۔ شما نیچے کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔ دونوں سلگ رہے تھے اپنے اپنے بستروں پر۔ کروٹیں بدل رہے تھے۔

✤ ✤ ✤

غم نصیبوں انہیں راہوں پہ سکوں ملتا ہے
تم جہاں گردشِ حالات سے ڈر جاتے ہو

صبح گاڑی کسی اسٹیشن پر رکی تو فیصل اٹھ بیٹھا ـــ اور شمائلہ تو کب سے کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی۔

فیصل نیچے اتر آیا ـــ کہیئے! آپ کی رات کیسی گذری۔؟

مجھے ٹرین میں نیند کم آتی ہے ـــ!

فیصل غم زدہ ہنسی ہنستا ہوا باتھ روم چلا گیا۔ ایک مرتبہ پھر شمائلہ کے دل نے کہا کہ غلطی کر رہی ہے۔ بھلا ایک ذرا سے خط اور تصویر کے لئے اتنا بڑا فیصلہ ـــ!

لیکن اس میں اس لڑکی کی زندگی کا بھی تو سوال ہے۔ وہ فیصل کو کتنا چاہتی ہے ـــ کیا اسے دکھ نہ ہوگا۔ میں اپنی ہم جنس پہ آپ ہی ظلم کروں۔

نہیں نہیں ـــ مجھے فیصل کی زندگی سے نکل جانا چاہیئے۔ اور پھر میلا اور اس کا جوڑ ہی کیا ـــ؟ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ـــ!

فیصل باتھ روم سے نکل کر دوبارہ وہیں آ بیٹھا۔ شمائلہ اس کی نظروں سے بچنے کے لئے میگزین پڑھنے لگی۔

اور فیصل سوچنے لگا۔

کتنی سنگدل ہے یہ لڑکی — کیا یہ کسی اور کو چاہتی ہے — لیکن نہیں — وہ چند دن جو شاید زندگی کا سرمایہ بن کر رہ جائیں کس طرح گزرے ہیں — یہ اچانک اس نے فیصلہ کیوں بدل لیا — اور مجھے کتنا مجبور کر دیا ہے اس نے۔ میں وجہ بھی تو نہیں پوچھ سکتا۔ آہ... کیا میری قسمت میں بربادیاں ہی لکھی ہیں کیا میں کبھی آباد نہ ہو سکوں گا۔

ڈائننگ کار کا بیرا ناشتہ لے آیا — شمائلہ چائے بنانے لگی۔ ایک کپ بنا کر اس نے فیصل کو دیا۔

شکریہ —! فیصل اب زیادہ ہی تکلف برتنے لگا تھا اور حقیقت میں اس تکلف سے شمائلہ کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ناشتے کے بعد شمائلہ میگزین میں گم ہونے کی کوشش کرنے لگی اور فیصل سگرٹ سے جی بہلانے لگا۔

کئی اسٹیشن آئے اور گذر گئے۔ صبح گئی دوپہر آئی اور پھر شام آ گئی۔ رات پھر سلگنے اور سسکنے کے لئے آ موجود ہوئی۔ فیصل کا جی چاہتا تھا کہ یہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔ چاہے وہ شمائلہ کو حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ اس کے سامنے تو ہے۔ یہی حال شمائلہ کا تھا۔ وہ بھی یہی سوچ رہی تھی۔

آپ اتنے لمبے سفر سے بور تو نہیں ہوئے۔ اس نے پوچھ ہی لیا۔

قطعاً نہیں۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ یہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔! وہ بیساختہ کہہ بیٹھا۔

شمائلہ چپ سی ہو کر لیٹ گئی۔

دونوں ہی بیقرار تھے۔ دونوں ہی تڑپ رہے تھے ۔ شمائلہ تو وجہ جانتی تھی لیکن فیصل بیچارہ تو وجہ بھی نہ جانتا تھا۔ وہ حیران بھی تھا اور رنجیدہ بھی۔

شمائلہ پھر میگزین پڑھنے لگی اور فیصل کالے کالے پہاڑوں کو دیکھنے لگا جنکے درمیان لمبی لمبی تاریک سی سرنگیں تھیں۔ گاڑی کسی سرنگ سے گزرنے لگی۔ بتیاں جل اٹھیں ۔ وہ ایک بار آہ بھر کر رہ گیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ گیت گائے۔ اور سچ مچ وہ ایک درد بھرا گیت الاپنے لگا۔ شمائلہ چونک اٹھی۔ پھر اس نے میگزین رکھ دیا۔ اور باہر دیکھنے لگی۔ فیصل کی درد بھری آواز گونجنے لگی۔ شمائلہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

فیصل گاتا رہا ۔ گیت کے بول دونوں کے دلوں پہ چرکے لگاتے رہے۔ گیت انگریزی پوائنٹ کا ترجمہ تھا۔

وہ بول کچھ یوں تھے۔

اے پہاڑوں میں رہنے والی

تیرا دل بھی پتھر ہے

تو خود بھی پتھر کیوں نہیں ہو جاتی

تاکہ میں تیری مورتی کی پرستش کر سکوں۔ عبادت شروع کر دوں۔

اور ایک دن یہ مورتی پگھل جائے

اے پتھروں میں رہنے والی

گیت بکھر گیا۔ اور اپنی یاد چھوڑ گیا۔ وہ یاد چند آنسوؤں کی شکل میں بہنے لگی۔
مس شمائلہ۔ ! کافی دیر بعد جب وہ اپنے جذبات پر قابو پا چکا تو بولا۔
اور دو حسین آنکھیں جواباً اٹھیں۔
کوئٹہ نزدیک آگیا ہے۔ !
کیوں ــ
میری ایک آخری التجا ہے۔ !
شرمندہ نہ کریں ـ !
یہ انگوٹھی ......
نہیں ــ یہ میں نہیں لوں گی۔ !
میری آخری التجا ــ !
اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ فیصل نے ڈبیا سے انگوٹھی نکالی۔ وہ پہنانے ہی لگا تھا کہ چونک اٹھا اور غمگین سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا ـ میں ایسا خوش قسمت نہیں ہوں۔ انگوٹھی دوبارہ ڈبیہ میں بند کر کے ڈبیہ شمائلہ کے سامنے رکھ دی۔ اس کا بڑھا ہوا ہاتھ یونہی رہ گیا۔ وہ جان گئی. لیکن خاموش ہی رہی۔ اور اٹھ کر سامان سمیٹنے لگی۔ کوئٹہ اسٹیشن پر آ کر وہ ویٹنگ روم میں آ گئے۔ آپ یہاں بیٹھئے میں پوچھتا ہوں کیا نام ہے آپ کی سہیلی کے شوہر کا۔ ؟
نثار احمد ــ ، شمائلہ نے مختصر سا جواب دیا۔
فیصل باہر نکل آیا۔ اس نے کئی جگہ پوچھا۔ انکوائری آفس سے اسے

نثار کا پتہ چل گیا اس کا کوارٹر بھی اسٹیشن کے قریب ہی تھا۔ اور اتفاق سے نثار خود انکوائری آفس آگیا۔ فیصل نے اس سے شمائلہ کا ذکر کیا۔

چلئے ــــ! نثار اخلاق سے کہنے لگا۔

ویٹنگ روم میں شمائلہ کو دیکھ کر اس نے پہچان لیا۔ کیونکہ عارفہ بھی اسی گاؤں کی تھی۔ اور نثار جب بھی اپنی سسرال جایا کرتا شمائلہ کی ماں کے پاس ضرور جاتا۔ شمائلہ سے صرف ایک مرتبہ ہی ملاقات ہو سکی تھی۔ نثار کا ماں باپ نے لاڈ سے نام اچھن رکھا ہوا تھا۔ اور وہاں اکثر یہ ہی نام پکارا جاتا تھا اسی لئے وہ اس کا اصل نام بھول گئی تھی۔

آداب بھائی جان ــــ! شمائلہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

جیتی رہو بہن ــــ اچھی تو ہو۔ چلو آؤ۔۔۔۔ گھر چلیں۔ تمہاری بہن تمہیں بہت یاد کرتی رہتی ہے۔

نثار قلی کو سامان پہنچانے کا کہہ کر ان کے ساتھ چل پڑا۔

فیصل چپ چاپ ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ لائنیں کراس کرتے ہوئے فیصل کو یوں لگا کہ وہ ان کے ساتھ خواہ مخواہ جا رہا ہے۔ پھر وہ رک کر بولا۔ مس شمائلہ اب آپ اپنی صحیح جگہ پہنچ گئیں مجھے اجازت دیجئے۔

شمائلہ کا دل دھک سے ہو گیا۔ لیکن نثار خالص لکھنوی زبان میں بولا۔ نہیں صاحب یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ چلئے گھر تک تو چلئے۔ آپ کا تعارف تو کروایا ہی نہیں شمائلہ نے۔

میں ان کو پہنچانے آگیا ہوں۔ یہ اکیلی تھیں اس لئے والدہ نے

ساتھ بھیج دیا — ! فیصل کو شمائلہ کی پوزیشن بھی صاف نظر آ رہی تھی۔
شمائلہ ممنون نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ کتنا میری عزت کا خیال ہے
انہیں۔ تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے — چلئے گھر تو چلئے — !
فیصل نے شمائلہ کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں ایک التجا تھی —
وہ چپ ہو گیا۔
نثار کا کوارٹر آ گیا۔ دروازے پر ہی ایک چار سال کا بچہ نثار سے
لپٹ گیا — ابا ہمارے لئے کیا لائے —؟
تمہاری خالہ آئی ہیں بیٹے — ! نثار نے بیٹھک کا دروازہ کھلوایا
عارفہ شمائلہ کو دیکھتے ہی حیرت اور خوشی سے لپٹ گئی۔
فیصل خاموش سا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ عارفہ اور شمائلہ صحن
کی طرف چلی گئیں۔ شمائلہ باتیں تو عارفہ سے کر رہی تھی لیکن اس کا ذہن
فیصل کی طرف تھا۔ عارفہ جلد جلد کھانا تیار کرنے لگی۔ نثار بھی باہر کچھ لینے
چلا گیا۔ شمائلہ بیٹھک میں آئی۔ فیصل سر جھکائے بیٹھا تھا۔
آپ کے لئے یہ ماحول تو کچھ بیگانہ سا ہے۔ وہ کھسیانی ہنسی
ہنس کر کہنے لگی۔
جی نہیں — ! فیصل کو اس کے پتھر دل پر غصہ آ رہا تھا۔
دونوں طرف پھر خاموشی چھا گئی۔
شمائلہ کا جی چاہا کہ اس لڑکی کے لئے پوچھے۔ لیکن پوچھ نہ سکی۔
صرف اتنا کہہ سکی۔

اب آپ جلد اپنا گھر آباد کر لیجئے۔!
آپ کو زخموں پر نمک چھڑکنا خوب آتا ہے۔ فیصل طنزیہ مسکرایا۔
یہ طنز نہیں فیصل صاحب! میں تو خدا سے یہ ہی دعا کروں گی کہ خدا آپکو خوش رکھے۔ آپ اسی سے شادی کیجئے جس نے آپ کے گیتوں کو زندگی بخشی ہے۔!
فیصل کچھ چونک سا گیا۔ اور پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔
میں آج سے گیت نہیں گاؤں گا۔ اس گلے سے اب کوئی گیت نہ ابھرے گا۔ میرے گیت ختم ہو گئے۔
نہیں نہیں۔ خدا کے لئے ایسا نہ کہیئے۔ آپ کے گیت کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ آپ کے گیت تو حیات کا پیغام سناتے ہیں۔
اگر آپ کا فیصلہ اٹل ہو سکتا ہے تو کسی اور کو فیصلہ کرنا مشکل ہے کیا۔؟ اس کے لہجہ میں بے پناہ طنز تھا۔
یہ فیصلہ بے معنی ہے۔! وہ لرز سی گئی۔
یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ کو دخل اندازی کی ضرورت نہیں۔
وہ کرخت لہجے میں کہنے لگا۔
شمائلہ روتے ہوئے کہنے لگی۔ ایسا نہ کیجئے خدا کے لئے۔
مس شمائلہ۔! مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی بات نہیں مان سکتا۔! وہ اسی لہجہ میں بولا۔
فیصل۔! پہلی بار بیقراری سے اس کے منہ سے نکلا۔

فیصل اسے گھورنے لگا اس کی آنکھیں زردی مائل سی ہو گئیں اور بیقراری کا ایک طوفان آیا ہوا تھا۔ اسی لمحے وہ اٹھا۔

خدا حافظ مس شمائلہ ___ نثار صاحب سے معذرت کر دیجئے۔ میں اب زیادہ نہیں ٹھہر سکتا۔ وہ منہ پھیرے ہوئے کہہ رہا تھا۔

فیصل صاحب ___! اس کی آواز لرز رہی تھی۔

خدا حافظ ___! وہ باہر والے دروازے کی چٹخنی کھول کر اسی طرف منہ کئے ہوئے بڑبڑایا۔ اور ہاں ___! پھر اسے جیسے کچھ یاد آ گیا وہ مڑتے ہوئے بولا۔

دیکھئے۔ اگر خدانخواستہ کبھی آپ کو کسی قسم کی کوئی دقت ہوئی تو مجھے ضرور لکھ دیجئے۔ میں منتظر رہوں گا۔

جونہی اس کی نظریں اٹھیں اسے شمائلہ کی بیتابی کا اندازہ ہوا ___ فیصل باہر نکل گیا۔ وہ دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔ فیصل لان کراس کرنے لگا تو ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شمائلہ دروازے میں کھڑی نظر آئی۔ وہ دوبارہ چل پڑا ___ جب فیصل اسٹیشن کی حدود میں غائب ہو گیا تو شمائلہ دروازہ بند کر کے یوں کرسی پر گر پڑی جیسے وہ لٹ گئی ہو ___ اس کا سب کچھ لوٹ لیا گیا ہو ___ وہ رو بھی نہ سکی ___ نثار آ گیا تو فیصل کو نہ پا کر حیران رہ گیا۔

شمائلہ بہن ___ وہ چلے گئے ___!

جی ہاں ___ انہیں ضروری کام یاد آ گیا تھا۔ اس کا لہجہ یوں تھا

جیسے پیدل چل کر آرہی ہو۔

اچھا — مگر ان کا سامان تو یہیں پڑا ہے۔

وہ آپ رہنے دیں — پھر پہنچا دیجئے کبھی۔

ہاں! کچھ دن بعد میں بھی تو لاہور جاؤں گا — پہنچا دوں گا —

نثار نے اطمینان دلایا — عارفہ کھانا تیار کر کے لے آئی اسے بھی فیصل کے جانے کا رنج ہوا — وہ تینوں کھانا کھانے لگے۔ شمائلہ صرف ان کا ساتھ دے رہی تھی ورنہ اس کا دل کھانے کو بالکل نہ چاہ رہا تھا۔

* * *

ہر چیز کائنات کی لبریز یاس ہے
دل کیا اداس ہے کہ زمانہ اداس ہے

فیصل وہاں سے سیدھا پی۔ آئی۔ اے کے بکنگ آفس پہنچا۔ جہاز نے شام چار بجے فلائی کرنا تھا۔ اور اس وقت صرف ڈھائی بجے تھے۔ اپنے لئے سیٹ بک کروا کے وہ یونہی ٹہلنے لگا۔ ٹیکسی والے نے اس کی بیقراری بھانپ کر پوچھا۔۔۔ کہیں چلنے کی صلاح ہے صاحب!

کہاں لے چلو گے۔۔! وہ تھکا تھکا سا بولا۔

جہاں آپ چاہیں۔۔ ٹیکسی والا آنکھ بھینچ کر مسکرایا۔

نہیں۔۔ مجھے سکون چاہیئے۔۔! وہ اسکا مطلب سمجھ کر بڑبڑایا۔

تو چلئے۔۔ یہاں سے کچھ دور ایک جھیل ہے۔ پہاڑوں کے درمیان نیلی سی جھیل۔ وہاں آپ کو سکون ملے گا۔

چلو۔۔! وہ ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

ٹیکسی شہر کی رونق سے نکل کر لمبی چوڑی تارکول کی سڑک پر بھاگنے لگی۔

کچھ دیر بعد پہاڑیوں کے درمیان والی سڑک کا سینہ چیر کر ٹیکسی ایک خوشنما مقام کے سامنے کھڑی تھی۔ فیصل سگریٹ نکال کر ٹیکسی سے اتر آیا۔ ایک سرسبز با بیدریی کے نیچے نیلی جھیل اور دور بلند فلک بوس پہاڑیاں۔

چاروں طرف ایک سناٹا تھا۔ صرف ایک جوڑا تھا جو جھیل کے کنارے ٹہل رہا تھا۔ وہ نیچے اتر آیا کچھ دیر یونہی کھڑا رہنے کے بعد وہ اوپر ہوٹل کی ایک کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔

نیچے وہ خوشنما وادی پھیلی ہوئی تھی۔ ویٹر اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ اور اس نے یونہی چائے منگوا لی۔

گرم گرم چائے پینے سے اسے کچھ سکون محسوس ہوا جیسے یہ چائے اسکی ساتھی تھی۔

صاحب! وقت ہو گیا ہے ۔ ٹیکسی والا بیڑی پیتا ہوا قریب آ گیا۔

ہاں چلو ۔۔۔!

ویٹر کو دس کا نوٹ دیکر وہ ٹیکسی کی طرف بڑھا۔

باقی پیسے ۔۔! ویٹر بھاگتا ہوا آیا۔

تم رکھ لو ۔۔!

سلام صاحب ۔۔! ویٹر خوش ہو گیا۔

فیصل ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر پھر اسی راستے پر بھاگنے لگی۔ پہاڑ پیچھے چھوٹنے لگے وادیاں چلانے لگیں۔

ایروڈرم کافی دور تھا۔ جب وہاں پہنچے تو جہاز تیار تھا۔

ٹیکسی والے کو پیسے دیکر وہ جہاز کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ایک

دبلی پتلی ہوسٹس نے اسے اس کی سیٹ دکھائی۔ وقت گزارنے کے
لئے قریب پڑا ہوا اخبار دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد جہاز فلائی کر گیا۔
اور پھر اپنے بادلوں میں پرواز کرنے لگا۔ اس نے نیچے دیکھا کوئٹہ
شہر ایک ڈبیہ کی طرح نظر آرہا تھا۔ اس ڈبیہ کے ایک چھوٹے سے کوارٹر
میں شمائلہ رہتی ہے۔

وہ اپنی زندگی چھوڑے جا رہا تھا۔ نہ جانے زندگی میں پہلی بار وہ کیوں
اتنا تڑپا تھا۔ شاید بیقرار وہ روشنی کے لئے بھی نہ ہوا ہو ــــ شمائلہ
ــــ شمائلہ ــــ شمائلہ۔ اس کی روح میں بس گئی تھی۔

وہ ضرور مجھے چاہتی ہے ــــ دھڑکنیں بتاتی ہیں کہ میں بھی اس کے
دل میں بسا ہوں۔ لیکن آخر مصلحت کیا ہے ــــ؟

شاید میری کشش کچی ہو ــــ اگر میری محبت میں کشش ہوئی تو اسے
ایک دن ضرور مجھ پر رحم آجائے گا۔ کیا یہ ان تمام معصوم جوانیوں کی
بددعا کا نتیجہ ہے ــ پروین ــ رشیدہ ــ نائلہ ــ صفیہ ــ آسیہ
تاجی۔ سعیدہ اور نہ جانے کون کون۔

میں تڑپ رہا ہوں ــــ واقعی تڑپ کیا چیز ہوتی ہے۔ یہ
اندازہ مجھے آج ہوا۔ اے خدا تو مجھے معاف کر دے ــــ!
جب وہ اپنے خیالات سے چونکا۔ تو لاہور آچکا تھا۔

* * *

یاد تیری زندگی کا ساز بن کے رہ گئی!
دل کی ہر دھڑکن تری آواز بن کے رہ گئی

کتنے ہی دن بیت گئے۔ عارفہ نے شمائلہ سے کئی بار پوچھا بھی کہ وہ اتنی رنجیدہ کیوں رہتی ہے۔ لیکن شمائلہ ٹال جاتی — اندر ہی اندر وہ گھل رہی تھی۔ کبھی کبھی اسے اپنے آپ پر بیحد غصہ بھی آتا کہ یہ کیا کر بیٹھی۔ پھر اس کا جی چاہتا کہ وہ فیصل کو خط لکھے۔ لیکن سوچ سوچ کر وہ ایسا بھی نہ کر سکتی۔
اس دن یوں ہوا کہ نثار ذرا جلدی دفتر سے آگیا۔ شمائلہ اور عارفہ باہر صحن میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

عارفہ! میں آج لاہور جا رہا ہوں۔ بجٹ کے معاملہ میں۔
اچھا! آج ہی کیا —؟ عارفہ نے پوچھا۔
ہاں اٹھو! میری تیاری میں مدد دو۔
عارفہ تو اندر چلی گئی۔ اور شمائلہ کے دل میں ایک شعلہ سا بھڑکنے لگا۔ فیصل کا بستر اور اٹیچی کیس ابتک اس کے پاس تھا۔ کیا وہ بھیج دیا جائے —؟ ہاں! — اس کی ذرا سی چیز بھی یہاں رہی تو میں اسے نہیں بھول پاؤں گی —!
وہ اٹھ کر چیزیں اکٹھا کرنے لگی

نثار بھائی ۔۔! شمائلہ چیزیں ٹھیک کر کے مخاطب ہوئی۔
کیا ہے بہن ۔۔؟
یہ چیزیں آپ فیصل صاحب کی کوٹھی پہنچا دیں۔
اوہ! اچھا کیا ۔۔ میں خود تم سے کہنے والا تھا۔
جی ہاں۔ ٹھیک ہے۔ اب آپ جا تو رہے ہیں لیجائیے ۔۔!
شام چار بجے نثار رخصت ہو گیا۔ شمائلہ حد سے زیادہ رنجیدہ تھی۔
عارفہ اسکی بے تکلف سہیلی بھی تو تھی۔ اسے اداس دیکھ کر وہ ہنسی۔
کہیں دال میں کچھ کالا تو نہیں۔
کیا ۔۔؟ شمائلہ بری طرح چونکی۔
چہرہ بتا رہا ہے کہ کچھ ضرور ہے جسکی پردہ داری ہے ۔۔!
اب تم خواہ مخواہ کی باتیں نہ کرو ۔۔!
نہیں میری بنّو بات ضرور ہے کچھ۔
یہ کیوں نہیں کہتیں کہ نثار بھائی کے جانے پر خود اداس ہو۔ شمائلہ چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہنے لگی۔
وہ تو جاتے ہی رہتے ہیں۔ میں کہاں اداس ہوتی ہوں۔
وہ دیکھو منّا پانی میں تمام کپڑے گندے کر رہا ہے۔! شمائلہ نے اسکی توجہ ہٹائی۔
رہنے دو ۔۔ آج میں پوچھ کر ہی رہوں گی ۔۔ عارفہ کہاں ماننے والی تھی۔
کیا پوچھ کر رہو گی ۔۔؟
یہی فیصل صاحب کے بارے میں ۔۔!

پوچھو۔ کیا پوچھتی ہو ۔۔؟ شمائلہ تیار ہو کر بیٹھ گئی۔
وہ کون ہے ۔۔؟ عارفہ نے اپنے سوالات کی ابتدا کی۔
ایک انسان ۔۔!
کیسا انسان ۔؟
گوشت پوست کا بنا ہوا ۔!
بھئی سنجیدگی سے بتاؤ ۔۔! عارفہ جھنجھلا گئی۔
بتا تو رہی ہوں۔
وہ کیا کام کرتا ہے ۔۔؟
گیت گاتا ہے۔
شادی شدہ ہے ۔؟
نہیں ۔۔!
تمہیں چاہتا ہے۔؟
میں کیا جانوں ۔!
تم اسے چاہتی ہو ۔۔؟
شاید ۔۔! شمائلہ نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ اٹھی۔
اچھا ۔۔! ایک چور تو پکڑا ۔۔ ہاں تو پھر اس کی والدہ ۔۔؟
وہ ایک جھوٹ تھا۔
یعنی اس کی والدہ ۔۔۔۔۔! عارفہ حیرت سے چلائی۔
وہ صرف اس نے میری عزت رکھنے کیلئے بھائی صاحب کے سامنے کہہ دیا تھا۔

کیوں ۔ کس لئے ۔۔۔۔ کیا ہوا تھا ۔؟ عارفہ نے ایکدم کئی سوال کر دیئے۔
وہ کیوں ۔ کہ جیسا میں نے تمہیں بتایا کہ ماموں اور ممانی نے جب وہ رشتہ طے کر دیا اور اس دن بلکہ صبح نکاح ہونا تھا۔ رات میں گاؤں سے بھاگ آئی۔ بارش بھی زوروں پر تھی۔ جب میں شہر پہنچی تو وہ غنڈ راتا کا وقت تھا۔ برستی بارش میں میں بھی بھاگ رہی تھی اور وہ دونوں بھی۔ میری تو جان نکلی ہوئی تھی ۔۔ آہ! کیا وقت تھا۔
عارفہ لرز گئی ۔۔ پھر ۔؟
پھر فیصل کو خدا نے فرشتہ بنا کر میری مدد کیلئے بھیج دیا۔ میں نے کچھ خیال نہ کیا اور زور سے چلائی۔ موٹر رک گئی۔ فیصل نے مجھ سے کچھ بھی نہ پوچھا ۔۔ میں موٹر میں بیٹھ گئی۔ وہ مجھے اپنے گھر لے آیا ۔۔ اس کے گھر کوئی نہیں تھا سوائے نوکروں کے۔ پہلے پہلے مجھے بہت ڈر محسوس ہوا۔ لیکن دو دن میں میں نے محسوس کر لیا کہ وہ بہت شریف ہے۔ اسی دو دن میں بیمار ہو گئی تب میرا پردہ بھی ان سے ٹوٹ گیا ۔!
اری تجھے غیر مردوں کے ساتھ رہتے شرم نہ آئی ۔! عارفہ حیرت سے بولی۔
وہ بہت اچھا انسان ہے۔ میرے ساتھ وہ اسقدر لحاظ سے بات کرتا تھا عارفہ کہ کیا بتاؤں ۔!
پھر تو نے اسے دل دے دیا۔؟ عارفہ ہنسی
ہاں! اور کیا ۔۔ شمائلہ کا لہجہ غمگین تھا۔
ایں! ۔۔ یہ کیا کہہ رہی ہو ۔۔؟

ہاں ۔۔ سچ تو کہہ رہا ہوں ۔۔!

پھر خوب باتیں وغیرہ ہوئی ہوں گی ۔۔؟ عارفہ کریدنے لگی۔

ہاں ہوتی تھیں ۔۔ مگر ایسی ویسی نہیں ۔۔ ایک دن انہوں نے اشاروں میں کچھ ذکر کیا... میں نے انکار کر دیا ۔۔ تو سچ ستار بجاتے بجاتے ان کی انگلیاں زخمی ہو گئیں ۔۔!

اری تو کسی طلسم خانہ کا ذکر کر رہی ہے ۔۔؟ عارفہ کی سمجھ میں ستار کا قصہ نہ آیا۔

بات یہ ہے عارفہ ۔ انہیں ایک دورہ پڑتا ہے۔ جب کبھی زیادہ غمگین ہوں تو رات رات بھر ستار بجاتے رہتے ہیں۔ پھر بیہوش ہو جاتے ہیں۔

یہ تو عجیب بیماری ہے ۔ ہاں بھئی بڑے لوگوں کی بیماریاں بھی عجیب ہیں ۔۔! سادی سی عارفہ بیچاری اس بیماری کو نہ سمجھ سکی۔

پھر اس دن میں نے انکے لائے ہوئے کپڑے پہن لئے تب وہ بہت خوش تھے

کیا شادی کیلئے بھی کہا تھا ۔۔؟ عارفہ درمیان میں بول اٹھی۔

ہاں! ۔۔ ایک دن یونہی اشاروں میں کہہ دیا کہ میں تمہیں زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں۔ شمائلہ شرما کر بتانے لگی۔

تو پھر ۔۔؟ اے لڑکی تیرے تو دیدوں کا پانی بھی ڈھل گیا۔ عارفہ حیران ہو کر بولی۔

انہوں نے کہا شام کو جواب دینا۔ جب وہ چلے گئے تو میں نے سوچ لیا تھا کہ انہیں کہہ دوں گی جو ہو گا دیکھا جائیگا ۔۔ حیا کی سرخی اس کے کانوں کو شتابی بنا رہی تھی۔

اری خود ہی کہہ دیتی ۔۔! عارفہ کو اور حیرت ہوئی۔

ہاں اسی لئے میں نے سوچا کہ لکھ کر دے دوں گی۔ میں لکھنے کے لئے ان کے کمرے میں کاغذ تلاش کر رہی تھی کہ میرے ہاتھ ایک خط اور ایک لڑکی کی تصویر آ گئی۔ اس کے منہ پر غم کے بادل چھانے لگے۔

کسی لڑکی کی تصویر۔۔ ہائے اللہ یہ مرد کیسے ہوتے ہیں۔؟ تو کیا لکھا تھا خط میں ۔؟ عارفہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

وہ خط کسی لڑکی کا تھا اور اسے بھی محبت تھی ان سے۔ اور کچھ اسی قسم کی باتیں لکھی تھیں ۔۔! اس کی آنکھوں کی اداسی کچھ گہری ہو گئی۔

تو پھر کیا تم نے فیصل سے کہہ دیا۔۔

نہیں! وہ شام کو آئے تو میں نے انکار کر دیا۔ اور تمہارے پاس آنے کے لئے تیار ہو گئی میں نے ان سے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ حیران بھی تھے اور رنجیدہ بھی۔

بڑی بیوقوف ہو تم بھی ۔۔!

کیوں ۔؟

تم اس لڑکی کا پوچھ لیتیں معاملہ صاف ہو جاتا۔ شاید وہ مر گئی ہو۔ یا کہیں اس کی شادی ہو گئی ہو۔۔ کچھ ہو گیا ہو۔

ایسا نہیں ہو سکتا ۔۔!

کیوں نہیں ہو سکتا۔؟

اچھا نثار آ جائیں تو معلوم کروں گی۔

ارے خدا کے لئے نثار سے مت کہنا۔

اچھا نہیں کہوں گی۔۔!

عارفہ اٹھ کر منّے کے کپڑے بدلوانے لگی۔ اور شمائلہ کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔ شاید باہر کوئی عورت آئی تھی عارفہ اس سے باتیں کرنے لگی۔

کچھ دیر بعد جب عارفہ آئی تو وہ مخاطب ہوئی۔

عارفہ مجھے کہیں نوکری دلوا دو نا ــ!

نا بابا! میں نوکری و کری تو کبھی بھی نہ کرنے دوں۔

وہ کیوں ــ کیا حرج ہے ــ؟

نہیں آئندہ ایسی بات بھی زبان پر نہ لانا۔ ہاں ابھی وہ کانٹے والے کی بیوی آئی تھی۔ وہ بھی تو اپنے گاؤں کی ہے۔ پرسوں ہی آئی ہے وہاں سے۔ تمہارے ماموں کا بھی سناتی ہے۔

کیا ــ؟ شمائلہ نے لیٹے لیٹے پوچھا۔

کہہ رہی تھی ماموں اور ممانی کی خوب لڑائی ہوتی ہے اور لوگ انہیں خوب بدنام کر رہے ہیں۔

اچھا ہوا ــ! شمائلہ بولی۔

اچھا تم منّے کو سلاؤ۔ میں آٹا گوندھ لوں۔ عارفہ باہر چلی گئی اور شمائلہ گنگناتے ہوئے منّے کو سلانے لگی۔

* * *

بے درد مجھ سے اپنا تصور ہی چھین لے
ہاں تیری آرزو ہی کے قابل نہیں ہوں میں

تمام بڑے بڑے اخباروں میں جلی سرخیوں میں ایک خبر چھپی تو لوگ دنگ رہ گئے۔ ملک کے نامور فن کار کا اعلان
اب وہ گیت نہیں گائے گا۔!
اب وہ گیت نہیں گائے گا۔ ایک بہت بڑا فیصلہ
شمائلہ عارفہ کے بچے کے کنگھی کر رہی تھی کہ دروازے میں اخبار آکر گرا۔ اور ساتھ ہی نثار بھی آموجود ہوا۔ اخبار اسی نے اٹھایا۔
ابا جان آگئے۔! منا بھاگتا ہوا آگیا اور نثار سے لپٹ گیا
شمائلہ سر پہ دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
آداب بھائی صاحب۔!
جیتی رہو بہن۔ نثار نے بے پروائی سے اخبار پلنگ پر ڈالتے ہوئے کہا۔
عارفہ بھی باورچی خانے سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی آگئی۔

اسی گاڑی سے آئے ہیں کیا۔ ؟

ہاں — !

کچھ ٹھہرے بھی نہیں آپ تو ۔

کیا کرتا ۔ کام ختم ہو گیا تھا — آ گیا !

نثار وہیں چارپائی پر بیٹھ کر بوٹ کے تسمے کھولنے لگا۔ شمائلہ کا دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ اور فیصل کے بارے میں جاننے کیلئے بیتاب تھی ۔ آخر عارفہ نے خود ہی پوچھ لیا۔

وہ فیصل صاحب کا سامان پہنچا دیا آپ نے — ؟

ہاں پہنچا دیا تھا — ! نثار کا جواب مختصر تھا۔

اچھے تو تھے وہ — ؛ عارفہ نے پھر کریدا۔

وہ مجھے نہیں ملے — میں جب اُنکی کوٹھی پر پہنچا تو ملازم تھے اُنکے ۔ اُنہیں کو دے آیا کہ وہ آئیں تو دیدیں ۔ اسی شام میں یہاں کے لئے روانہ ہو گیا۔

آپ بھی کمال کرتے ہیں ۔ مل کر تو آتے — ! عارفہ جھلا گئی ۔

کمال تو تم کرتی ہو — بس سامان پہنچ گیا ۔ ملنے نہ ملنے سے کیا فرق پڑتا ہے

اس دوران شمائلہ چارپائی پر پڑا اخبار بے خیالی سے پڑھنے لگی ۔ اچانک اُسکی نظر اس سرخی پر پڑی ۔

ملک کے نامور فن کار فیصل کا اعلان

اب وہ گیت نہیں گائے گا

ہمارے لاہور کے نمائندے سے معلوم ہوا ہے کہ ملک کے نامور

فنکار نے اچانک کسی بھی وجہ سے یہ اعلان کر دیا ہے کہ اب وہ گیت نہ گائیگا۔
یہ خبر تمام حلقوں میں بڑے افسوس کے ساتھ پڑھی جائیگی کہ ان کے اس اعلان
سے ہماری موسیقی کا معیار گر جائے گا۔ اور اس دنیا میں ایک عظیم کمی رہ جائیگی۔
معلوم ہوا ہے کہ کئی فلمی صحافی اور دیگر شخصیتوں نے مسٹر فیصل کو سمجھانے کی
بیحد کوشش کی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اٹل فیصلہ کر چکے ہیں۔
شمائلہ نے کانپتے ہاتھوں سے اخبار رکھ دیا اور کمرے میں جا کر رو دی
یہ سب میری وجہ سے ہوا ۔۔۔ وہ مجھے چاہتا ہے ۔۔۔ میں بہت بیوقوف ہوں ۔
اک ذرا سی ضد میں آ کر کیا سے کیا کر بیٹھی ۔۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔ ہو گا
کیا اس کی تلافی ہو سکے گی۔ اس کا کفارہ مجھے ادا کرنا پڑیگا۔ میں خود لاہور جاؤنگی
خود اسے مناؤں گی۔
کچھ دیر بعد جب عارفہ اندر آئی تو اس نے اسے سب کچھ بتا دیا ۔۔۔
وہ بھی اسے ہی ڈانٹنے لگی۔
میں تو پہلے ہی کہتی تھی۔ بڑی آئی عقلمند ۔۔۔ اتنی سی بات سے اس
نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا ۔۔۔ وہ تجھے چاہتا ہی تو ہے۔
تو میں کیا کروں عارفہ اب ۔۔؟ شمائلہ نے بیتابی سے پوچھا۔
اب ٹھہر جا ۔۔۔ پہلے خط لکھتے ہیں۔
خط میں کیا لکھوں ۔۔۔؟
کچھ نہ کچھ سوچتے ہیں ۔۔!
تو پھر جلدی سے سوچو نا ۔۔۔

ہوں۔ اب جلدی سوچا۔ پہلے بیچارے کے ساتھ کیا کیا۔
تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔
نہیں بہن آج شام کو خط لکھیں گے۔ چلو کھانا تو کھالو۔
نہیں! مجھے بھوک نہیں۔!
ارے اب بھوک بھی اڑ گئی۔ چلو اٹھو، تمہارے بھائی تو کھا کر سو گئے ہیں۔
بھائی جان بھی بالکل عجیب ہیں۔
ہاں دیکھو تو سہی۔ گئے اور مل کر نہ آئے۔ اچھا چلو اٹھو۔
شمائلہ نے بے دلی سے کھانا کھایا اور کمرے میں آ کر خط لکھنے لگی۔ کتنی خط لکھ کر پھاڑ دیئے۔ آخر ایک خط عارفہ کو بھی پسند آیا۔

فیصل صاحب — آداب!

آج اخبار میں ایک خبر پڑھ کر بڑا دکھ ہوا۔ آخر آپ نے وہی کیا جو کہا تھا۔ مان لیا کہ آپ بھی فیصلے کے بڑے ہی پکے ہیں۔ اب اگر میں اپنا فیصلہ بدل دوں تو کیا آپ کا فیصلہ بدل جائیگا۔؟ جلد از جلد آگاہ کیجئے۔!

شمائلہ

خط پوسٹ کرنے کے بعد کافی دیر تک اس کے دل میں خوشگوار دھڑکنوں کی بازگشت رہی۔ اور پھر وہ انہی سکون نواز نظاروں میں کھونے کی کوشش کرنے لگی۔

* * *

یہ بات اور ہے تجھے منظور ہی نہ ہو
تو اور میرے درد کا درماں نہ کر سکے!

فیصل کے شب و روز بے کیف گزر رہے تھے۔ اب تو وہ اسٹوڈیو بھی نہ جاتا تھا۔ نازی اور زیدی ہمیشہ آجاتے اور وہ اس سے اس فیصلے پر سخت نالاں تھے۔ نازی اور زیدی نے بے حد سمجھایا بھی تھا۔ لیکن فیصل کہاں ماننے والا تھا۔

اس وقت وہ بیحد پریشان تھا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا عجیب سی سوچ میں تھا کہ شبراتی آگیا۔

ڈاک سرکار —!

رکھ دو بابا — ہاں اس نے بے پروائی سے کہا۔

شبراتی ڈاک رکھ کر چلا گیا۔

اور فیصل دوبارہ اپنی سوچ میں کھو گیا۔

کچھ ہی دیر میں جیسے وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا ہو۔ اس کے چہرے پر

کچھ اطمینان سا ابھرا۔

وہ جلدی سے اٹھا اور بکنگ آفس فون کرنے لگا۔

جہاز کوئٹہ کب جائیگا ۔۔۔ چھ بجے ۔۔۔ ٹھیک ہے ۔! ایک سیٹ چاہیئے ۔ ۔ ۔ ہاں میں ابھی ڈرائیور کو بھیج رہا ہوں ۔! ریسیور رکھ کر اس نے شبراتی کو بلایا۔

بابا یہ پیسے ڈرائیور کو دیدو۔ وہ پی۔ آئی۔ اے کے آفس جاکر رسید لے آئے۔

بہت بہتر سرکار ۔! شبراتی چلا گیا۔

نہ جانے فیصل کے دل میں کیا آیا تھا کہ وہ کوئٹہ جانے کے لئے بیتاب ہو گیا تھا۔

وقت گزارنے کے لئے ۔ وہ ایک میگزین دیکھنے لگا۔ پھر آئی ہوئی ڈاک کی طرف نظر ڈالی۔ لیکن ایک دو خطوں پر نظر ڈال کر باقی خط یونہی ڈال دیئے۔

ساڑھے پانچ بجے وہ اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ ایروڈرم پہنچ گیا۔ نہ جانے اس نے پاگلوں کی طرح کیوں ارادہ کر لیا تھا ۔ محض ایک معصوم سی تمنا پر ۔۔۔ جہاز میں بھی وہ سارا وقت خاموش رہا اس کا ایک ساتھی بھی کوئٹہ جا رہا تھا۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی۔ فیصل نے وعدہ کر لیا جب وہ کوئٹہ پہنچے تو شام ہو چکی تھی۔ دور شہر کی بتیاں جل رہی تھیں

ٹیکسی لیکر وہ شہر کے اچھے سے ہوٹل پہنچا ۔ یہ ہوٹل شہر سے کچھ فاصلے پر تھا۔

چائے پی کر وہ یونہی سڑکوں پر آنکلا۔ موسم کچھ سرد ہو چلا تھا۔ اس لئے ہواؤں میں کچھ خنکی تھی ۔ یونہی وہ اسٹیشن جا نکلا اور پھر اسٹیشن کے پل کے پاس کھڑا ہو کر اس پار کوارٹروں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا واپس آگیا۔

* * *

اب کون کرے جلوۂ رنگیں کی تمنّا!
تجھ سے بھی حسیں ہے یہ تری یاد کا عالم

یونہی شمائلہ نے کھڑکی سے باہر دیکھ لیا تو ایک لمحے کیلئے اس پر سکتہ طاری ہوگیا۔ سامنے میونسپلٹی کے کھمبے کے سہارے فیصل آنکھیں بند کئے کھڑا تھا۔

وہ بھاگی ہوئی اندر گئی۔

عارفہ — عارفہ — باہر آکر دیکھو —!

کیا ہے —؟ عارفہ بھی دوڑی ہوئی آئی۔

وہ دیکھو —! شمائلہ نے کھڑکی کا پردہ اٹھا کر کہا۔

ارے یہ تو فیصل معلوم ہوتا ہے۔

ہاں! وہی تو ہے —!

تم ٹھہرو میں بلاتی ہوں —! عارفہ نے پھرتی سے بیٹھک کا دروازہ کھولا۔ فیصل واپس جانے لگا تھا کہ چٹخنی کی آواز سے چونکا۔

سامنے عارفہ کھڑی تھی۔

آئیے نا بھائی صاحب —! اس نے پکارا

جی!... جی نہیں — مجھے معاف رکھئے، میں اس وقت ... وہ گھبرا گیا۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے ۔ آیئے نا ۔!
فیصل خاموشی سے اندر آگیا۔
بیٹھئے ۔!
وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔
خیریت تو ہے ۔ آپکی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔
جی ہاں! جی رہا ہوں ۔ فیصل رنجیدہ آواز میں بولا۔
اس دوران شمائلہ بھی دوسرے دروازے کے پاس پردے کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔
آپ نے تو ہمیں کوئی خط تک نہیں لکھا۔ اور ہاں وہ سامان پہنچ گیا تھا۔
جی ہاں ۔ پہنچ گیا تھا ۔ مجھے بڑا افسوس تھا کہ میں نثار صاحب سے نہیں مل سکا تھا۔
خیر آپ بیٹھئے۔ میں ابھی آئی ۔! عارفہ کمرے سے باہر نکل گئی۔
شمائلہ جلدی سے دروازے سے ہٹ گئی۔
ارے جاؤ نا ۔ سلام ولام تو کرلو۔
نہیں! مجھے شرم آتی ہے۔
دیکھو تو بےچارے کی حالت۔
اچھا جاتی ہوں۔ شمائلہ دھڑکتے ہوئے دل کیساتھ آگے بڑھی۔
آداب ۔! وہ آہستہ سے بولی۔
فیصل کی نظریں اٹھیں تو وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی زبان جیسے بند

ہوگئی تھی۔ وہ دیکھتا رہا۔ اور پھر آہستہ سے بولا۔

معاف کیجیے مس شمائلہ۔ آپ کو ناگوار تو گذرا ہوگا۔ نہ جانے میں کیوں یہاں چلا آیا۔ دراصل ۔ ۔ ۔ ۔ ! وہ الفاظ ڈھونڈنا چاہتا تھا۔ لیکن یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اس کا دل و دماغ کوئی بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہا۔

شمائلہ کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور وہ کوئی بھی جواب دے سکی۔ فیصل نے جونہی اسے مسکراتے دیکھا وہ پریشان تو تھا ہی اسے اور زیادہ غصہ آگیا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اس لڑکی کو اتنا مارے کہ یہ بیہوش ہوجائے۔ یہ میری حالت پر مسکرا رہی ہے ہنس رہی ہے خوش ہو رہی ہے۔ اس نے خونخوار سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

شمائلہ ہنستے ہوئے بولی۔

تو کیا ہوا۔ یہ گھر تو عارفہ کا ہے۔ اب تو آپ آہی گئے۔ ! ہاں وہ خط ۔ ۔ ۔ ! ابھی وہ پورا جملہ بھی نہ کہنے پائی تھی کہ عارفہ نے اسے پکارا۔

شمائلہ ادھر آؤ ذرا ۔ ۔ ۔ جلدی۔ ! شمائلہ مسکراتی ہوئی باہر چلی گئی۔

فیصل کو اس کی یہ مسکراہٹ زہر لگی۔ وہ غلط مطلب لے بیٹھا تھا۔ پاگل پن میں آکر وہ اٹھ کھڑا ہوگیا اور چٹخنی کھول کر تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کا رخ ہوسٹل کی طرف تھا۔

شمائلہ جب اندر آئی تو اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور کمرہ خالی تھا۔ ٹرے اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔

وہ دروازے کی طرف بھاگی۔ اور لائن کے پاس فیصل نقطہ کی مانند نظر آرہا تھا۔

عارفہ بھی برتنوں کے گرنے کی آواز سنکر بھاگی آئی۔

کیا ہوا ——؟

وہ چلے گئے —— عارفہ خدا کے لئے انہیں روکو —— جاؤ عارفہ۔

عجیب آدمی ہیں۔ چلے کیوں گئے ——! عارفہ کو حیرت اور تعجب تھا۔

وہ پھر میرے ہاتھوں تنگ آکر گئے ہیں۔ میں نہیں جانتی تھی کہ ان کی دیوانگی اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ مذاق اور سنجیدگی میں تمیز بھی نہیں کر سکتے —— عارفہ اب میں کیا کروں۔

ابھی تمہارے بھائی آتے ہیں۔ پھر انہیں بھیجتی ہوں —— نہ جانے کہاں گئے ہیں وہ۔

کسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوں گے۔ نثار بھائی معلوم کر لیں گے کہیں وہ چلے نہ جائیں۔

نہیں ابھی کہاں جا سکیں گے۔ گاڑی بھی شام کو جاتی ہے اور جہاز بھی چھ بجے ——! عارفہ سوچتے سوچتے بولی۔

ہائے اللہ! میں کتنی بری ہوں —— میں بہت ہی گنا ہگار ہوں —— کیا حالت ہو گئی ہے ان کی ..... عارفہ میں خود جاؤں —؟

شمائلہ کی بیقراری بڑھتی جا رہی تھی ۔

اب خود کہاں ماری ماری پھرو گی —— بس اب آتے ہی ہونگے وہ بھی۔

شمائلہ اور کچھ نہ کرسکی تو جلدی سے پڑوس سے ایک بارہ برس کے
لڑکے کو نثار کے آفس بھیج دیا۔
کچھ ہی دیر میں نثار آگیا۔
شمائلہ اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ لیکن عارفہ نے یہ مشکل حل کردی۔
— فیصل صاحب آئے تھے۔
تو پھر —؟
چلے بھی گئے۔
کوئی کام ہوگا۔ اس لئے چلے گئے۔
نہیں! وہ ناراض ہوکر گئے ہیں۔ عارفہ کو سمجھانا مشکل ہوگیا۔
ایں — کس سے —؟
شمائلہ سے — !
کیوں — بھلا شمائلہ سے ناراض ہونیکا ان کو کیا حق ہے۔ نثار
کو کچھ غصّہ آگیا۔
آپ سمجھیں گے نہیں۔ عارفہ اسے کمرے میں لے گئی — اور
ساری بات اسے سمجھائی۔
تو اب میں کیا کروں —؟ نثار کچھ الٹ قسم کا دماغ رکھتا تھا۔
جائیے نا — انہیں منا کر لائیے۔
تم نے مجھے کیا سمجھا ہے آخر بیگم — میں نہیں جا سکتا۔
جائیے نا — اس میں شمائلہ کی زندگی کا سوال ہے۔

نہیں بھئی — میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔ میں نہیں جا سکتا۔

وہ کیا کہے گی۔۔۔؟

کہے گی کیا — یہ شریفوں کا گھر ہے۔

یہ فقرہ شمائلہ کو اتنا برا لگا کہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی قریب آئی

اور عارفہ سے مخاطب ہوئی۔

عارفہ تم میرے لئے اپنے گھر لڑائی نہ ڈالو۔۔۔ بھائی صاحب

ٹھیک کہتے ہیں۔ میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔

اب تو نثار صاحب کے ہوش اڑ گئے

عارفہ نے بھی آڑے ہاتھوں لیا۔

آپ سوچتے نہیں اور بات منہ سے نکال دیتے ہیں۔

شمائلہ بہن — تم غلط سمجھ رہی ہو —! نثار ہکلاتے ہوئے کہنے لگا۔

نہیں نثار بھائی آپ خواہ مخواہ رنجیدہ نہ ہوں — میں اب آپ

کو تکلیف نہ دوں گی —! شمائلہ برقع اٹھاتی ہوئی بولی۔

ارے ارے۔۔۔ یہ کیا۔ نہیں میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔۔۔۔

مجھے معاف کردو۔۔۔۔ میں ابھی جاتا ہوں۔! یہ کہتے ہوئے نثار باہر نکل گیا۔

اور عارفہ شمائلہ کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

دیکھ لو۔ اللہ میاں نے ہمیں شوہر بھی تماشہ دیا ہے۔ پل میں تولہ

اور پل میں ماشہ۔

شمائلہ نے برقع رکھ دیا اور باہر کھڑکی میں دیکھنے لگی۔ ساتھ والے

کوارٹر میں ایک آدمی عورت کو بری طرح پیٹ رہا تھا۔ لوگ جمع ہو گئے تھے۔

شمائلہ سوچنے لگی ۔۔ یہ دنیا کیسی ہے ۔؟

عارفہ بھی آگئی ۔۔ آج پھر کمبخت پیٹ رہا ہے بیچاری کو۔

کون ہے یہ ۔۔؟ شمائلہ نے پوچھا۔

اس عورت کا دیور ہے ۔۔ شرابی کہیں کا۔ خاوند تو اس کا کسی چکی میں مزدور ہے۔ دیور اس کی بیوی پر بری نظر رکھتا ہے۔ اور جب بھی وہ بیچاری کچھ کہتی ہے تو مارتا ہے۔

کیا کام کرتا ہے اس کا دیور ۔۔؟ شمائلہ دکھ سے بولی۔

ٹکٹ کلکٹر ہے کمبخت ۔!

اللہ غارت کرے۔ عورت کی چیخیں کچھ کم ہو گئیں تو وہی آدمی باہر نکل کر دوسرے لوگوں کو گالیاں دینے لگا ۔۔ شمائلہ کھڑکی سے ہٹ آئی ۔۔ اسے فیصل کا انتظار تھا۔ اور وہ اس کی سلامتی کی دعا مانگنے لگی۔

٭ ٭ ٭

کس کڑے وقت میں بدلی ہیں نگاہیں تم نے
جب مجھے حوصلۂ ترکِ تمنّا بھی نہیں

بڑی مشکل سے نثار کو معلوم ہوا کہ فیصل گرینڈ ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔
وہ کرسی پر بیٹھا بیٹھا تھک گیا۔ لیکن فیصل نہ آیا۔ آخر جب رات زیادہ ہوگئی
تو وہ گھر پہنچا۔ جہاں شمائلہ اور عارفہ اس کے انتظار میں تھیں۔
کیوں کیا ہوا ۔؟ عارفہ نے اسے اکیلا آتے دیکھ کر کہا۔
وہ ٹھہرا تو گرینڈ ہوٹل میں ہے۔ لیکن اتنی رات ہوگئی ہے ابھی تک
واپس نہیں لوٹا جبکہ فلم شو بھی ختم ہوگیا ہے۔ اب کہاں ہوگا وہ ۔!
شمائلہ کو یوں لگا جیسے اس کی رگوں کا خون ایکدم جم گیا ہو۔
کہیں فیصل کو کچھ ہو نہ جائے ۔۔۔۔
وہ چپ چاپ سی بستر پر جاکر لیٹ گئی۔ لیکن نیند اس سے کوسوں
دور تھی ۔ خیال کسی طرف تھا۔ کچھ دیر تک باورچی خانے سے عارفہ، نثار
اور برتنوں کی کھٹ پٹ کی آوازیں آتی رہیں پھر وہ بھی بند ہوگئیں ۔شاید

عارفہ اور نثار بھی سو چکے تھے۔

اس کا جی چاہا کہ وہ گرانڈ ہوٹل پہنچ جائے۔ اب تو فیصل آچکا ہوگا۔ لیکن افسوس کہ اسے ایک جگہ کا بھی پتہ نہ تھا۔ جب سے وہ آئی تھی صرف ایک مرتبہ عارفہ کے ساتھ کسی کے گھر گئی تھی۔ وہ بھی کوارٹروں میں ہی — ورنہ اسٹیشن سے آکر تو وہ یہیں کی ہو کر رہ گئی تھی۔

وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگی۔ بستر اسے جیسے سانپ ہا تھا۔ صبح دفتر جانے سے پہلے نثار کو بھیجنا چاہیئے تاکہ فیصل کا پتہ لگ سکے۔ اس رات اسے بالکل نیند نہ آئی۔ رات آدھی تو بستر پر لوٹتے گزری۔ اور آدھی ٹہلتے ہوئے ہی گزری۔ صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو وہ اٹھ بیٹھی۔

باورچی خانے میں جا کر آگ جلائی۔ پانی گرم کرنے کے لئے رکھا اور خود وضو کر کے نماز پڑھنے لگی۔

کچھ دیر بعد نثار اور عارفہ بھی اٹھ بیٹھے۔ عارفہ نمائلہ کو باورچی خانے میں بیٹھے دیکھ کر مسکرائی۔

کیا نیند نہیں آئی آج — ؟

نہیں عارفہ ! آج میں بالکل نہیں سو سکی۔

تم خود ہی پاگل ہو۔

ہاں یہ میں مانتی ہوں — مگر عارفہ مجھے تو بار بار نثار بھائی سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تم ایک مرتبہ انہیں ہوٹل اور بھیجو۔ ابھی تو سویرا ہے۔ شاید وہ رات کسی وقت آگئے ہوں۔

ہاں ابھی بھیجتی ہوں۔

نثار نے ہاتھ منہ دھو کر کپڑے پہنے اور چلنے لگا تو عارفہ بھی اس کے پیچھے ہی گئی۔

میں نے کہا آپ دفتر جانے سے پہلے ایک چکر لگا آتے۔

کہاں — ؟

ہوٹل نزدیک تو ہے یہاں سے۔

اچھا تو پھر میں ناشتہ آ کر کروں گا۔ نثار بوٹ پہنتے ہوئے کہنے لگا۔

نثار دروازے سے باہر نکل گیا۔ عارفہ ناشتہ تیار کرنے لگی۔ اور شمائلہ بے تابی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

کچھ دیر بعد اسے نثار آتا نظر آیا — اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔

وہ جلدی سے عارفہ کے پاس آئی — نثار بھائی آ گئے ہیں۔

اچھا — عارفہ نثار کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

بھئی وہ تو چلے گئے — نثار نے کہا۔

چلے گئے — کہاں چلے گئے اتنی سویرے۔ عارفہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

بیرا کہتا ہے رات ایک بجے آئے تھے ٹیکسی سے کہیں گئے ہیں۔ سامان وغیرہ لیکر اسی وقت چلے گئے تھے۔

اب شمائلہ کو کچھ تسلی ہو گئی کہ وہ لاہور جانے لگا۔ اور اسے آج ہی خط لکھوں گی۔ اسی وقت۔

ناشتے کے بعد نثار دفتر چلا گیا۔ تو شمائلہ عارفہ سے پوچھنے لگی۔

خط لکھوں ۔۔ ؟

لکھو ۔۔!

مگر لفافہ ۔ ؟

تم خط تو لکھو۔ نثار آئیں گے تو لفافہ منگوالیں گے۔

تو پھر اسی وقت خط بھی لکھ لوں گی۔

تمہاری مرضی ۔!

دوپہر تک دونوں فیصل کی ہی باتیں کرتی رہیں۔ دو بجے نثار آیا تو وہ بڑا خوش تھا۔ وہ ہنستے ہوئے مخاطب ہوا۔

عارفہ مٹھائی کھلاؤ تو ایک بات سناؤں۔

کیا بات ہے ۔۔ عارفہ اور شمائلہ دونوں چونکیں۔

میرا ٹرانسفر لاہور ہوگیا ہے۔ کل ہی جانا ہے۔

سچ ۔۔! شمائلہ کا رنگ سرخ ہوگیا اور عارفہ خوش ہوگئی۔

کھانے کے بعد وہ دونوں خوش خوش سامان سمیٹنے لگیں۔ اور نثار ضروری کاموں کے سلسلے میں باہر چلا گیا۔

خط نہیں لکھوگی شمائلہ ۔۔! عارفہ چارپائی کھولتے ہوئے بولی۔

اب کیا لکھنا ہے۔ کل خود ہی چلے جائیں گے۔

تم بڑی خوش معلوم ہوتی ہو ۔۔!

تم نہیں ہو کیا ۔۔!

ہاں خوش تو ہوں ۔۔ دونوں جلدی جلدی سامان پیک کرنے لگیں۔ شمائلہ کے ہاتھ تو مشین کی طرح چل رہے تھے۔ عارفہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی ۔ شام تک سب سامان بندھ گیا اور صبح کا انتظار مشکل ہوگیا

* * * *

ہم کو تو جان ہو گئی دو بھر مذاق میں
کیا جانے لوگ جیتے ہیں کیونکر فراق میں

فیصل اس دن شمائلہ کے ہنسنے سے رنجیدہ ہو کر اٹھ تو آیا تھا۔ لیکن بعد میں اسے اپنے آپ پر غصہ بھی بہت آیا کہ وہ اتنی سی بات پر کیوں چلا آیا ـــــ وہ مسکراہٹ کیا معنی رکھتی تھی۔

وہاں سے نکلتے ہی ایک شناسا مل گیا جو اسے اپنے گھر لے گیا۔ رات ایک بجے تک وہ وہاں رہا۔ اس کا وہ دوست ٹیکسی سے سکھر جا رہا تھا۔ اور اسی رات وہ بھی اس کے ساتھ تیار ہو گیا۔ اب اس کا کوئٹہ میں کیا کام تھا۔ سکھر وہ صبح کے قریب پہنچ گئے۔ اسی دن فیصل لاہور کیلئے روانہ ہو گیا۔

گھر پہنچ کر گو اسے کچھ اطمینان تو ہوا لیکن وہ صدیوں کا بیمار سا لگ رہا تھا۔ اس دن وہ تقریباً سوتا رہا ـــــ رات بھی سوتے ہی گزر گئی۔ اور صبح اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

ناشتے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ بیٹھا۔ اس عرصہ میں اس کی کافی

ڈاک اکٹھی ہوگئی تھی۔ اس نے شبراتی کو پکارا۔

شبراتی ۔ ڈاک لے آؤ۔

شبراتی خطوں۔ اخباروں اور رسالوں کا ایک ڈھیر اٹھا لایا۔

فیصل مسکراتے ہوئے خط کھولنے لگا۔ خط پڑھ پڑھ کر وہ ایک طرف رکھتا رہا۔

اچانک اس کی نظر ایک خط پر پڑی۔ تحریر کچھ نئی بھی تھی۔۔۔۔ اس کے پاس اکثر نئے نئے لوگوں کے خط آیا کرتے تھے۔ وہ چونکا نہیں ۔مگر جونہی اس نے خط کھولا ۔ اس کے جسم میں ایک سنسنی سی پھیل گئی۔

وہ مسکرایا اور خط پڑھنے لگا۔

فیصل صاحب ۔ آداب!

آج اخبار میں ایک خبر پڑھ کر بڑا دکھ ہوا ۔ آخر آپ نے وہی کیا جو کہا تھا ۔ مان لیا کہ آپ بھی فیصلے کے بڑے ہی پکے ہیں۔

اب اگر میں اپنا فیصلہ بدل دوں تو کیا آپ کا فیصلہ بدل جائیگا۔

جلد از جلد آگاہ کیجئے۔/

شمائلہ

اس نے جلدی سے خط کی تاریخ دیکھی۔ تاریخ پرانی تھی۔ اس کے کونٹرے جانے سے پہلے کی۔

اوہ! تو وہ مسکراہٹ اس لئے تھی۔! وہ ملتھے پر ہاتھ مارتا ہوا کہنے لگا۔

ہم دونوں پاگل ہیں ۔۔ قسمت بھی قریب لیجا کر جدا کر دیتی ہے۔
اس نے دوبارہ خط اٹھا لیا ۔۔ اس کا فیصلہ یہ تھا... کہیں
... ہاں ہاں ... ! وہ ہنس دیا۔
بالکل سرکار ۔۔! آپ اپنا فیصلہ بدل دیجئے ہمارا فیصلہ فوراً بدل
جائیگا۔ اب کیا کیا جائے۔ وہ سوچنے لگا۔ کچھ سوچ کر اس نے زیرو
ناٹن کا نمبر فون پر ڈائل کیا۔ کال بک کیجئے کوئٹہ کے لئے۔
وہ ٹیلیفون ڈائریکٹری سے کوئٹہ ریلوے بکنگ آفس کا نمبر ڈھونڈنے لگا۔
نمبر بتا کر وہ وہیں بیٹھ گیا ۔۔ شمائلہ کا خط اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔
کچھ ہی دیر بعد اسے لائن مل گئی۔
وہ بات کرنے لگا۔ سنئے! ذرا نثار صاحب کو بلوا دیجئے ۔!
نثار بکنگ کلرک ۔۔؟ دوسری طرف سے آواز آئی۔
جی ہاں ۔۔ !
ان کا ٹرانسفر ہو گیا ۔۔۔ وہاں سے جواب ملا۔
کہاں ۔۔؟ فیصل بوکھلا گیا۔
لاہور ۔۔ !
تو کیا وہ چلے گئے ۔۔؟ فیصل کے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہو گئی۔
جی ہاں ۔۔ آج ہی روانہ ہو گئے۔
اچھا شکریہ ! فیصل نے فون بند کر دیا۔
تو وہ لوگ کل پہنچیں گے ۔۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔

اس کے دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے۔ دل نے کہا فیصل تم آزماؤ تو سہی کہ شمائلہ تمہیں چاہتی ہے کہ نہیں ـــ مگر کس طرح... وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کوئی ترکیب سوچنے لگا۔ اور پھر چٹکی بجا کر خود بخود مسکرا دیا۔

اس نے فوراً شبراتی کو بلایا اور کچھ سمجھانے لگا جسے سنکر بوڑھا شبراتی بھی مسکرا دیا۔

بابا کر لوگے نا ـــ کہیں بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔

نہیں سرکار آپ فکر نہ کریں۔

میں خود ہی تمہارے ساتھ اسٹیشن چلوں گا۔ مگر انکی نظروں سے پوشیدہ رہوں گا۔

ٹھیک ہے ـــ بی بی تو برقعے میں ہوتی ہیں۔ میں بھلا کیسے پہچان سکوں گا۔

ہاں بابا اسی لئے تو میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ میں چلوں گا اور دور سے ہی بتا دوں گا۔

شبراتی سے کام سیٹ کرنے کے بعد اس نے اپنے ایک ڈاکٹر دوست کو فون کیا ـــ فیصل کی اسکیم سنکر وہ بھی بہت ہنسا اور کہنے لگا۔ یار فلم کی شوٹنگ ہی کر لیتے۔

بس شوٹنگ ہی سمجھو۔ فیصل آج بڑی مدت بعد دل کھول کر ہنس رہا تھا۔

***

نہ پوچھ راہِ محبت کی مشکلیں ہمدم
کہ گام گام پہ ہم آزمائے جاتے ہیں

شبراتی اور فیصل اسٹیشن پر کھڑے گاڑی کا انتظار کر رہے تھے۔
سردی بہت بڑھ گئی تھی۔ اور آج تو بہت سرد ہوا چل رہی تھی۔ فیصل سلیٹی
گرم سوٹ اور اوپر لمبا کوٹ پہنے تھا۔ مفلر سے اس نے اپنا منہ چھپا رکھا
تھا۔ کچھ دیر بعد گھنٹی بجی اور مائیک کی آواز گونجی۔ فیصل شبراتی کو لیکر بک
اسٹال کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ گاڑی دور سے نظر آنے لگی تھی۔ اور کچھ ہی منٹ
میں انجن پلیٹ فارم پر سے گذر گیا۔ لوگ ڈبوں سے باہر لٹکے ہوئے تھے
اور ایک بھاگ دوڑ مچ گئی تھی۔ فیصل آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہر ڈبے کو
گھور رہا تھا۔ ایک ڈبے میں اسے نثار کا چہرہ نظر آیا۔۔ وہ شبراتی کو
لیکر اس طرف بھاگا۔ جب گاڑی رکی تو نثار جلدی سے اترا اور قلیوں سے
سامان اتروانے لگا۔ پھر ایک زنانہ ڈبے کے پاس جاکر رک گیا۔ وہاں سے
کچھ سامان اتروایا اور ساتھ ہی دو برقع پوش عورتیں بھی اتریں۔ ایک عورت بچے کو

اٹھلائے ہوئے تھی۔ فیصل پہچان گیا کہ یہ عارفہ ہے۔

بابا وہ نثار کھڑا ہے۔ قراقلی ٹوپی والا ــــ اس کے پاس سے جاکر گزرو۔ فیصل وہیں کھڑا رہا ــــ اور شبراتی ان کے قریب چلا گیا۔

شمائلہ نے شبراتی کو پہچان لیا۔ وہ آگے بڑھی۔

شبراتی ان کے قریب سے گزرنے لگا۔ تو اس نے نثار سے پوچھا ــــ کوئٹہ کے ڈبے یہ ہی ہیں نا۔

ہاں بابا ــــ! نثار نے کہا۔

بابا ــــ شمائلہ اسے جاتا دیکھ کر بولی۔

کون ہے ــــ؟ نثار نے شمائلہ سے پوچھا۔

یہ شبراتی بابا ہے ــــ فیصل صاحب کا ملازم۔

نثار نے شبراتی کو قریب بلایا۔

کون ــــ؟... بٹیا.... ! وہ اداکاری کرتے ہوئے کہنے لگا۔

ہاں بابا ــــ! شمائلہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ بولی۔

تمہارے صاحب تو خیریت سے ہیں نا ــــ! عارفہ نے سوال کیا۔

شبراتی نے منہ پر پلو رکھ لیا۔

کیوں بابا خیریت تو ہے نا ــــ؟ شمائلہ گھبرا گئی۔

خیریت کیا بٹیا ــــ صاحب کی بہت بری حالت ہے۔ آج تو وہ بہت تنگ ہیں۔ اللہ رحم کرے ــــ کوئٹہ گئے تھے۔ وہاں سے ہی اس طرح آئے ہیں

شبراتی بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔

شمائلہ کانپ سی گئی۔

پاگلوں کی طرح چلاتے رہتے ہیں۔ اب بھی مجھے زبردستی بھیجا ہے کہتے ہیں جاؤ۔ کوئٹہ کی گاڑی دیکھ کر آؤ۔ ۔ ۔ ۔ وہ آئی ہے۔ نہ جانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں بیٹی۔

شمائلہ کے آنسو اس کے برقعے کو تر کر رہے تھے۔

شبراتی گڑگڑا کر بولا۔

بٹیا۔ آج خدا خیر کرے۔ تم میرے ساتھ چلو۔۔ خدا کے لئے غصہ ٹھنڈا ہونے دو اور میرے ساتھ چلو۔

ہاں بابا! میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔ شمائلہ بھرائی ہوئی آواز سے مخاطب ہوئی۔

نثار بھائی! آپکے ساتھ بہت سامان ہے۔ آپ اور عارفہ جائیے شام کو پتہ کیجئے میرا پھر۔

اچھا بہن! نثار بھی شبراتی کے لہجے سے بڑا متاثر ہوا۔

شمائلہ شبراتی کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔

دور کھڑے فیصل نے جب شمائلہ کو شبراتی کے ہمراہ دیکھا تو وہ جلدی جلدی اسٹیشن سے باہر نکل گیا۔ اور کار اسٹارٹ کرکے بھاگ نکلا۔

شبراتی شمائلہ کو لیکر باہر نکلا اور ٹیکسی بلا کر اسی راستے پر چلنے لگا۔ شمائلہ راستہ بھر روتی رہی۔

شبراتی دل ہی دل میں بیچارگی پر دم بھی کھا رہا تھا۔ صبر کرو بیٹی۔

— خدا رحم کریگا۔ وہ اس کی ہچکیاں سنکر کہنے لگا۔ لیکن شمائلہ برداشت کرنے کے باوجود بھی نہ رک سکی اس کی ہچکیاں لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جارہی تھیں۔

ٹیکسی فیصل کے بنگلے پر جا کر رکی۔ شمائلہ جلدی سے اتر کر اندر چلی گئی نبراتی وہیں رک گیا۔ شمائلہ نقاب الٹ کر فیصل کے کمرے کی طرف بڑھی۔

ڈاکٹر کمرے میں بیٹھا تھا۔

آیئے —! وہ اٹھتا ہوا بولا۔

آپ......؟

جی....! وہ جھجک کر کھڑی ہوگئی۔

اچھا میں باہر چلا جاتا ہوں —! ڈاکٹر باہر چلا گیا۔

اس نے دیکھا کہ فیصل کے منہ پر کمبل پڑا تھا۔ اور وہ چت لیٹا ہوا تھا۔

شمائلہ کچھ دیر تو اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس کے پیروں کی طرف سے کمبل ہٹا کر اس کے پیروں پر سر رکھ کر ہچکیاں لینے لگی۔ وہ بار بار اپنی آنکھیں فیصل کے پیروں سے رگڑ رہی تھی۔

اور فیصل بڑی مشکل سے ضبط کئے پڑا رہا۔ اسے بڑا سرور مل رہا تھا۔ کافی دیر رونے کے بعد وہ اٹھی اور برقعہ اتار کر کرسی پر رکھا۔ خود سرہانے کی طرف بیٹھ گئی — فیصل کمال سنجیدگی سے آنکھیں بند کئے ہوئے تھا۔

شمائلہ نے اس کے منہ سے کمبل ہٹایا۔ اور اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

وہ بڑ بڑائی۔

فیصل مجھے معاف کردو — میں ظالم ہوں۔

جب فیصل نے یہ سنا تو اس کا جی چاہا کہ وہ اسی وقت اسے کہے کہ معاف کیا۔ — لیکن کچھ سوچ کر وہ یونہی لیٹا رہا۔

شمائلہ اس کی آنکھوں کے پپوٹوں پر اپنی انگلیاں پھیرنے لگی۔ آنسو اب بھی اس کی آنکھوں سے نکل کر فیصل کے ماتھے پر گر رہے تھے۔

تھوڑی دیر میں شبراتی اندر آ گیا — ہوش آیا مالک کو — ؟ اس نے گھبرائی ہوئی آواز سے پوچھا۔

نہیں بابا — جاؤ — خدا کے لئے کسی اور ڈاکٹر کو بلا لاؤ — ! وہ سسک پڑی۔ فیصل کو ہنسی آئی — لیکن وہ کھانسی میں ہنسی کو دبا گیا۔

اس کی کھانسی سنکر شمائلہ اس طرف مڑی۔

شبراتی بھی آگے آ گیا — مالک — آنکھیں کھولیئے — دیکھئے تو کون آیا ہے — ! فیصل شبراتی کی اداکاری پر بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کر رہا تھا۔

اس نے ایکٹنگ سے آنکھیں کھولیں — شمائلہ کا چہرہ سامنے تھا۔ وہ کچھ دیر اسے گھورتا رہا — سرخ انگارہ سی آنکھیں۔ پریشان بال۔ اداسی کا مجسمہ — !

آپ .... مس شمائلہ — !

ایسا نہ کہو فیصل — صرف شمائلہ کہو۔ اپنی خادمہ — ! شمائلہ برداشت نہ کر سکی۔

شبراتی باہر نکل گیا — اور فیصل مسکرانے لگا۔

آپ نے اپنا فیصلہ بدل دیا — وہ نقاہت سے منہ بنا کر بولا۔

ابھی آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ جب اچھے ہو جائیں تب کیجئے گا۔
نہیں۔ میں بالکل اچھا ہوں۔ بیماری کی وجہ تو آپ تھیں۔
شمائلہ نے شرما کر سر جھکا لیا۔ اور پھر آہستہ سے بولی۔ مجھے معاف کر دیں آپ!
آپ کو معاف نہیں کیا جائے گا۔۔۔ وہ پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔
کیوں۔۔؟
آپ نے بہت ستایا ہے۔۔!
تو پھر سزا دے لیجئے۔۔!
ہاں! سزا تو دی جائے گی۔
بغیر پوچھے منظور ہے مجھے۔
آپ نے اتنا کیوں ستایا ہے مجھے۔۔؟
آپ نے بھی تو ستایا ہے۔۔!
میں نے کہاں۔ جھوٹ بولتی ہیں آپ۔ فیصل اسکے گال پہ چپت لگاتے ہوئے بولا۔
آپ نے انکار کیوں کیا تھا۔۔؟
تاکہ آپ روشنی کے ہو جائیں۔۔!
روشنی۔۔! فیصل کی آنکھیں حیرت سے سکڑ گئیں۔
ہاں۔۔!
تم اسے کیسے جانتی ہو۔۔؟ فیصل نے پوچھا۔
جانتی تو نہ تھی۔۔ اس دن سے جاننے لگی ہوں۔

کس دن سے۔؟

اسی دن سے۔ جب آپ نے مجھے فیصلہ کرنے کیلئے کہا تھا۔! شمائلہ جھجک سی گئی۔

شادی کا فیصلہ۔! فیصل کو اسکے گالوں پر ایک رنگ دوڑتا ہوا نظر آیا۔

ہاں —! اس نے سر جھکا لیا۔

تو پھر—؟

میں اس کمرے میں گئی کہ آپ کو جواب لکھ کر دوں گی۔

ہاں یا نہ—؟

پہلے آپ بات تو سن لیں پوری—! شمائلہ جھلا گئی۔

پہلے تم یہ بتا دو کہ ہاں لکھنے والی تھیں یا نہ —!

ہاں —! اس نے آہستہ سے کہا۔

یعنی میرا فیصلہ منظور تھا تمہیں —!

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر کیا ہوا —؟

پھر میں نے دروازے ایک لڑکی کی تصویر دیکھی۔ اور ساتھ ہی اس کا خط بھی — اس سے بھی تو آپ نے شادی کا کہا تھا۔

بڑی بیوقوف ہو بھئی — وہ ایکدم پلنگ سے اٹھ بیٹھا۔

شمائلہ حیران سی ہو گئی کہ ابھی تو اس شخص سے نقاہت کی وجہ سے بات نہ ہو رہی تھی۔ اور اب یہ کیسے کیا ہو گیا۔ اسے کچھ شک سا ہوا۔

آپ بیمار ہیں ۔۔ لیٹ جائیے نا ۔ !

اوہ ۔۔ ہاں سچ ۔۔ فیصل کو یاد آگیا کہ وہ بیمار بھی ہے ۔ وہ پھر لیٹ گیا ۔ اور پھر اپنی جھینپ مٹانے کے لئے کہنے لگا ۔

در اصل تمہیں دیکھ کر میری بیماری چلی گئی ۔

مگر مجھے تو کچھ دال میں کالا نظر آنے لگا ہے ۔

فیصل نے فوراً بات بدلنے کے لئے دوسرا موضوع چھیڑ دیا ۔

ہاں تو پھر ۔۔ اس لئے تم نے انکار کر دیا ۔

اور کیا ۔۔ !

مجھے کیوں نہ بتایا ۔

بس یونہی ۔ ۔ ۔ !

اور کوئٹہ میں ۔۔ !

وہاں تو آپ کا قصور ہے حالانکہ میں اس وقت معاف کر چکی تھی اور خط بھی لکھ دیا تھا ۔

ہاں میں نے وہ خط پڑھ لیا تھا ۔

یہ تو بتائیے کہ وہ لڑکی کون تھی ۔۔ شمائلہ نے پوچھا ۔

روشنی ۔۔ فیصل کی آنکھوں میں اداسی سی ٹپک آئی ۔

ہاں ۔۔ !

وہ ایسی لڑکی تھی کہ میں کیا بتاؤں تمہیں ۔۔ مجھے اس سے پیار تھا ۔ بیحد پیار ۔ ۔ ۔ پہلا پیار ۔ ۔ ۔ وہ مجھ پر جان دیتی تھی ۔۔ میں بھی اس کیلئے

مرتا تھا۔ لیکن پھر اس کی شادی ہو گئی۔۔۔ کچھ حادثات ایسے ہوئے کہ مجھے اس سے نفرت ہو گئی۔

اور پھر... پھر فیصل کے چہرے پر درد کی لکیریں اجاگر ہو گئیں اسے یوں معلوم ہوا جیسے دل میں کانٹے چبھنے لگے ہیں۔

اور اس کے سامنے کئی چہرے نمودار ہوئے۔

پروین۔ نازی۔ نائلہ۔ رشیدہ۔ تاجی۔ روشی اور جانے کون کون۔

آپ خاموش کیوں ہو گئے۔؟ شمائلہ اسکی حالت دیکھ کر گھبرا سی گئی۔

پھر میں وحشی بن گیا۔۔۔ میں لڑکیوں کو کھلونا سمجھنے لگ گیا۔ ان سے کھیلتا رہا اور کھلونے ٹوٹتے رہے۔۔۔ میں بہت برا ہوں۔ بیحد برا ہوں۔

فیصل کی آواز گھٹ سی گئی۔ اور ماضی کی یاد نے اسے رونے پر مجبور کر دیا۔ شاید آج وہ سارے داغ دھوڈالنا چاہتا تھا۔ وہ رونے لگا اور واقعی بچوں کی طرح بلکنے لگا۔

فیصل ہوش میں آیئے۔۔۔ خدا کے لئے۔ شمائلہ پریشان ہو گئی۔

کافی دیر بعد جب اس کے دل کا بار ہلکا ہو گیا تو وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے شمائلہ کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

شمو۔۔۔ میری شمو۔۔۔ کیا تم نے مجھے معاف کر دیا۔

شمائلہ کی آنکھوں میں خوشیوں کے لاتعداد دیئے جگمگانے لگے۔ شاید وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اتنی بیباکی سے بولنے لگی تھی۔

بھول جائیں سب باتیں۔۔ اور آج سے نئی زندگی کا آغاز کریں۔۔۔

بس... کوشش کروں گی کہ آپ کو خوش رکھوں ۔ ! اس کا لہجہ دھیما تھا۔ نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ اور خوبصورت آنکھوں پر پلکوں کی جھالر کانپ سی رہی تھی۔

تب فیصل ایک جست لگا کر پلنگ سے اٹھا۔

تو بس ۔ اب میں ایک لمحہ ضائع کئے بغیر تمہیں اپنا لوں گا۔

ارے ! شمائلہ حیرت سے آنکھیں گھما کر بولی۔ آپ تو...

کیا آپ بالکل اچھے ہیں ۔ !

اسی لمحے شبراتی کمرے میں آگیا۔ اور فیصل کو یوں دیکھ کر مسکرا دیا۔

اس کی مسکراہٹ نے شمائلہ کو سب کچھ سمجھا دیا۔

وہ بری طرح جھینپ گئی اور فیصل کی طرف گھور کر دیکھنے لگی۔

فیصل قہقہہ لگا کر شبراتی کو دیکھنے لگا۔

بابا ۔ تم تو بہت اچھے ایکٹر ہو۔

فلم والوں کے ساتھ جو دن رات پالا پڑا رہتا ہے۔

شبراتی ہنستا ہوا باہر چلا گیا۔

آپ بڑے وہ ہیں ۔ ! شمائلہ شاکی لہجے میں کہنے لگی۔

جی ہاں وہ تو ہم ہیں ۔

مجھے تو شرم آرہی ہے۔

کس سے ۔ ؟

سوچتی ہوں نثار بھائی اور عارفہ کیا کہیں گے۔

ارے بھئی — محبت میں سب کچھ جائز ہے۔

بیٹھیے — !

بیٹھ گئے — اچھا بیگم صاحبہ اب تکلفات چھوڑیئے۔ اٹھئے ابھی تک آپ نے کھانا بھی نہیں کھایا۔

کیسے مکار ہیں آپ — ! شمائلہ آہستہ سے کہنے لگی۔

کیا کہا — ؟

مکار — !

فیصل نے شمائلہ کے بال کھینچ لئے۔

چھوڑیئے — !

یہ سب اس لئے تھا کہ مجھے پتہ تو چلتا کہ آیا تمہارے دل میں بھی کچھ جگہ ہے ہمارے لئے یا نہیں — !

دونوں ہنستے ہوئے کھانے کے کمرے میں چلے گئے۔

* * *

ستم کے بعد کرم کی ادا بھی خوب رہی
جفا تو خیر جفا تھی وفا بھی خوب رہی

اور شام جب نثار اور عارفہ گھبراتے ہوئے آئے تو فیصل اچھا بھلا تھا — وہ حیران ہی تو رہ گئے۔

شمائلہ ندامت سے گڑی جا رہی تھی۔

اب کیسی طبیعت ہے۔ عارفہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

سب ٹھیک ہے۔ اب آپ طبیعت کے بارے میں نہ پوچھیں۔ فیصل ہنستے ہوئے بولا۔

کیوں —؟

خراب تھی — بس اچھا ہو گیا۔

نثار بھی مسکرا دیا — وہ سمجھ گیا۔

اور اس رات دیر تک فیصل کے ڈرائنگ روم میں قہقہے گونجتے رہے۔

فیصل نے اپنا مدعا عارفہ اور نثار کے سامنے بیان کر دیا۔

انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔
لیکن عارفہ چھیڑتے ہوئے بولی۔
آج تو شمائلہ کو میں ساتھ لے جاؤں گی۔
جیسے آپ کی مرضی ۔ فیصل مسکرا کر شمائلہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جن کے گالوں پر شہابی رنگ دوڑ رہا تھا۔
کب کا پروگرام ہے ۔ ؟ نثار نے پوچھا۔
عارفہ بہن ہی طے کریں گی ۔! فیصل خود کچھ جھینپ سا گیا۔
اتنی کیا جلدی ہے ۔! عارفہ کو چھیڑنے میں مزا آ رہا تھا۔
فیصل شمائلہ کو دیکھ کر رہ گیا۔
میرا تو خیال ہے ۔ عارفہ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔
کیا خیال ہے ۔ ؟ فیصل جلدی سے پوچھنے لگا۔
خیال ہے کہ شمائلہ کو ابھی دو تین ماہ تو اپنے پاس رکھوں۔
جیسے آپکی مرضی ۔! فیصل کندھے جھٹکتے ہوئے کہنے لگا۔ عارفہ ہنسنے لگی۔
آج تو فیصل سے کچھ سنیں گے۔ موسیقی کا رسیا نثار اپنا اشتیاق نہ چھپا سکا
مگر میں نے گانا چھوڑ دیا ہے ۔!
یہ کیا تک ہے بھلا ۔ ؟ عارفہ نے کہا۔
میں نہیں گاؤں گا۔
کیا اب بھی نہیں ۔ ؟ نثار شمائلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔
فیصل نے کچھ دیر شمائلہ کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا ۔ نہیں !

شمائلہ بجھ سی گئی۔

گائیے نا فیصل بھائی ـــ! عارفہ نے اصرار کیا۔

گاؤ بھئی ـــ تمہارے گیت تو زندگی کا پیغام دیتے ہیں ـــ انہیں امر بنا ڈالو۔

گاؤ فیصل ـــ!

گائیے بھیّا ـــ!

گائیے سرکار ـــ! نہ جانے کہاں سے شبراتی بھی آ ٹپکا اور پھر یہی آوازیں

رے میں گونجنے لگیں۔

شمائلہ نے کپکپاتے لبوں سے کہا۔

گائیے نا ـــ!

فیصل نے گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ شمائلہ کی نگاہیں التجا کر رہی تھیں

س کے قدم اکھڑنے لگے۔ فیصلہ ڈانواں ڈول ہو گیا۔

گائیے نا ـــ! شمائلہ کی آواز پھر ابھری۔

اور ـــ اس کے لب کپکپانے لگے۔

اور ایک گیت فضا میں تھرکنے لگا۔ گیت کیا تھا فیصل نے اپنا کلیجہ نکال

ر رکھ دیا تھا۔

شمائلہ بیحد خوش تھی۔

فیصل کے گیت لوٹ آئے تھے۔

اب پھر وہ گیت گائے گا۔

نثار جھوم رہا تھا۔ عارفہ تسکین محسوس کر رہی تھی۔ اور تو اور باہر بوڑھا

شبراتی بھی خوشی میں جھوم رہا تھا۔

فیصل نے ایک اور غزل چھیڑ دی

غزل فیض کی تھی اور فیصل کی آواز نے چار چاند لگا دیئے تھے۔

تم آئے ہو نہ شبِ انتظار گزری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے

نہ گل کھلے ہیں نہ ان سے ملے نہ مے پی ہے
عجیب رنگ میں اب کے بہار گزری ہے

وہ بات سارے فسانہ میں جسکا ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

اور رات کا ایک بج گیا۔

نثار اور عارفہ یہیں رہ گئے۔

شمائلہ بھی اٹھی اور عارفہ کے ساتھ اسی کمرے میں سو گئی۔

فیصل کو تو شاید خوشی سے نیند بھی نہ آ رہی تھی۔

* * *

جب بھی فنکار کا شاہکار ہو تم

اس نے صدیوں تمہیں سوچا ہوگا

عارفہ شمائلہ کو اپنے گھر لے گئی۔

فیصل کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ عارفہ کو ساتھ لئے پھرتا تھا۔ اس نے شمائلہ کے لئے دنیا بھر کی چیزیں خرید ڈالیں۔

اور ایک دن وہ خوشیوں سے سرشار عارفہ کے کوارٹر میں چند آدمیوں کے ساتھ شمائلہ کو بیاہنے جا پہنچا۔

گو شمائلہ کو اپنے ماں باپ یاد آ رہے تھے لیکن اس کا مستقبل تابناک تھا۔ وہ خوش تھی۔ بہت زیادہ۔

چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔

نکاح کے بعد عارفہ اور نثار بھی شمائلہ کے ساتھ ہی فیصل کی کوٹھی آ گئے۔

چند مہمان تھے۔ وہ بھی چلے گئے۔

شمائلہ ڈرائننگ روم میں بیٹھی تھی۔ عارفہ بھی اسکے پاس تھی۔ آتش

رنگ کے سنہری کپڑوں میں اس کا حسن دمک رہا تھا۔ ہیروں کے زیورات آنکھیں چکا چوند کر رہے تھے۔ آتشیں باریک دوپٹے میں وہ سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔

فیصل مہمانوں کو رخصت کر کے اندر آ گیا۔ شمائلہ کو دیکھ کر وہ چونک اٹھا۔ کتنا پاکیزہ حسن تھا اس کا۔

عارفہ مسکراتی ہوئی بولی۔

دیکھ لو میری بہن کتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔

شمائلہ کا سر جھک گیا۔ اور ہونٹوں کے گوشے کپکپانے لگے۔

میں بھی تو خوبصورت ہوں ۔ فیصل مسکرایا۔

عارفہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

آپ کو نثار بھائی بلا رہے ہیں۔ فیصل نے اسے ٹالنا چاہا۔

کوئی بات نہیں۔

منا رو رہا ہے ۔!

اس کے ابا چپ کرا لیں گے۔

آپا کو تو نیند آ رہی ہے ۔ دیکھیں آنکھیں کیسی سرخ ہو رہی ہیں

کوئی بات نہیں ۔ یہیں سو جاؤں گی۔

شمائلہ دونوں کی باتیں سنکر مسکرا رہی تھی۔

فیصل اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

آپ ہی کچھ سفارش کر دیں۔

یہاں کسی کی سفارش نہیں چلتی بھیا ۔!

آپ نے کبھی کباب کھایا ہے ۔۔؟

ہاں ۔۔!

اور اگر کھاتے کھاتے منہ میں ہڈی آجائے تو ۔۔؟

تو میں اسے بھی کھا جاتی ہوں ۔

برا نہیں لگتا ۔۔؟

مجبوری ہے ۔

فیصل تنگ آگیا ۔

تو آپ نہیں جائیں گی ۔۔؟

کیا بیتیراری ہے ۔۔!

میں اپنی بیوی سے بات کرنا چاہتا ہوں ۔۔!

میرے سامنے کر لیجئے ۔۔!

اچھا تو یونہی سہی ۔

فیصل اٹھ کر شمائلہ کے قریب جا بیٹھا ۔

ہائے اللہ ۔۔! شمائلہ گھبرا کر بولی ۔

عارفہ ہنستے ہوئے اٹھی ۔

تم واقعی بڑے بے شرم ہو ۔۔! وہ باہر چلی گئی ۔

تو فیصل شمائلہ کی طرف والہانہ دیکھنے لگا ۔

وہ شرما گئی ۔

اور فیصل کی باہیں پھیل گئیں جیسے وہ اپنے متاعِ حیات کو سمیٹ

لینا چاہتا تھا۔

شمائلہ کا سر اس کے چوڑے سینے سے لگ گیا۔

باہر رات تاروں بھری تھی۔

اور چاندنی گنگنا رہی تھی۔ فضا گنگنا رہی تھی۔

گیت تھرک رہے تھے۔ خوشی کے نغمے ابھرنے لگے۔

اور فضا حسین ہو گئی۔۔!

٭٭٭

تمام شد